

ایک نئے لوڑ دو



حمیدہ حبیب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

آئینے توڑ دو

حمیدہ جمیل

جون 1975ء

جون 1992ء

1000

ایم یو کمپوزنگ ایسوسی ایشن

5-در بار مارکیٹ لاہور

سحدیہ پبلشر گلبرگ II لاہور

ایوزنگرین پریس لاہور

سورویہ

نام کتاب

مصنفہ

بار اول

بار دوم

تعداد

کمپوزنگ

ناشر

پریس

قیمت

انتساب

میرے پیارے بیٹے اظہر کے نام.....

میرے پیارے بیٹے اظہر کے نام.....

ناشر کی رائے

ذاتی مصروفیات کی بنا پر مصنفہ حمیدہ جبین صاحبہ اپنی نئی تخلیق منظر عام پر نہیں لاسکیں۔ زیر نظر ناول موصوفہ کی اچھوتی تحریر ہے جسے مکرر طبع کرنے کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ناول کا مرکزی خیال عام کمائیوں سے ہٹ کر ہے، عبرت انگیز اور نصیحت آموز کہانی قاری کو اس قدر محو کر دیتی ہے کہ زیادہ تر قارئین نے بار اول چھپنے والے ناول کو ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا، جبکہ اسے دوبارہ اور سہ بارہ پڑھنے کے بے شمار واقعات ریکارڈ پڑھے۔

تحریر کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مصنفہ کا زندگی کے بارے میں گہرا مشاہدہ ہے، اپنے ارد گرد بکھری ہوئی مختلف شخصیات کو سطحی طور پر دیکھنے کی بجائے ان کے کردار کی گہرائی میں اتر کر اصل کو جانچ لیتا محترمہ کا عین شعوری کرشمہ ہے اور اسی خصوصیت نے ناول کی تحریر میں اپنا رنگ منعکس کیا ہے۔ روایتی پاکیزہ کرداروں کے سارے ناول کو سجانا آسان بھی ہوتا ہے اور قاری کے لئے قابل قبول بھی، کیونکہ ہر پڑھنے والا کسی نہ کسی کردار کے ساتھ اپنی شناخت بنا لیتا ہے۔ لیکن یہ شاید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ عمل نہیں ہے۔ اس لئے عموماً کردار نگاری میں کوڑھ زدہ جسموں کو

خوبصورت لبادوں میں چھپانے کی اس خیال کے ساتھ کوشش کی جاتی ہے کہ مریض صحت مند نظر آئے۔ زیر نظر ناول میں سچائی اپنے اصلی رنگ روپ میں نہ صرف نظر آتی ہے بلکہ محسوس ہوتی ہے۔ مزید برآں اثر کرتی ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ٹیکنالوجی نے ہر شعبہ زندگی میں جدت، سہولت اور تیزی مہیا کی ہے۔ آج کے دور میں ٹیلی ویژن اور ویڈیو نے لکھے ہوئے الفاظ پر سبقت حاصل کر لی ہے۔ اب لوگ ضخیم کتابیں پڑھنے کی بجائے ویڈیو میں ڈھلی تماثل، دستاویزی فلمیں، تعلیمی و دیگر پروگرام دیکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ عوام الناس کی واضح اکثریت کی مجموعی دلچسپی اخبارات میں تحریر شدہ لفظوں اور ٹیلی ویژن کی نشریات کے احاطے سے باہر نہیں ہے۔ اسی پس منظر میں زیر نظر ناول کو تیشلی رنگ دیکر ٹیلی ویژن کے ذریعے ناظرین تک پہنچانے کا انتظام بھی کیا جا رہا ہے، دلچسپ مرکزی خیالوں کے باعث محترمہ حمیدہ جبین کے متعدد ناولوں کو قلم میں تبدیل کیا جا چکا ہے، جنہیں سنجیدہ قلم بین طبقے نے بہت پسند کیا۔ مصنفہ کے دیگر ناول بھی بارودوم کے طور پر زیر طبع ہیں۔

سعدیہ پبلشرز



اسپتال کے سفید و شفاف بستر پر بڑی میڈم نوری نے آئینہ اٹھایا۔
آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر ایک زہر آلود سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر
پھیل گئی۔

یہ آئینہ

تین سال پہلے اس کا ساتھی تھا

اس کا دوست تھا

اسے کہا کرتا

میڈم ! تم بہت خوبصورت ہو تمہارے چہرے میں گلاب کے
پھولوں کا رنگ گھلا ہوا ہے۔

تمہاری لائنی لائنی آنکھوں میں نشہ ہے۔

تمہارے ہونٹوں پر شبنم کی سی تازگی ہے

تمہارے بال ملائم اور سیاہ ہیں۔

اور پھر

ایک سال گزر گیا۔

آئینہ تب بھی اس کے ساتھ تھا۔

مگر اب وہ کچھ سوگوار تھا

کچھ خوفزدہ تھا

کچھ پریشان تھا

کچھ لگا

دیکھا تم نے تمہارے بالوں میں چاندی کے تار ہیں۔

تمہاری آنکھوں میں خوف ہے۔

اور تمہارے ہونٹ سیاہ پڑتے جا رہے ہیں۔

گلاب کی سی رنگت پر جھریاں نمودار ہو رہی ہیں۔

کچھ سوچا تم نے

اور پھر میڈم نوری کی سنگھار میز طرح طرح کے جدید سامان سے بھر گئی۔

آئینہ مسکرا دیا۔

میڈم نوری نے بالوں کے سفید تار سیاہ رنگ میں چھپائے۔

چہرے کی جھریاں میک اپ کی تہہ میں دب گئیں اور ہونٹوں پر لپ اسٹک

کی تازگی رہنے لگی۔

لیکن آنکھیں خوفزدہ ہی رہیں۔

اور پھر

اب

وہ پھر آئینہ دیکھ رہی تھی۔

بالوں میں سفید لٹ

چہرے پر جھریاں

سیاہ ہونٹ

اور آنکھوں کے گرد کالے کالے تہقے۔

یہ میڈم نوری تھی

جو چند سال پہلے ملک کی نامور ایکٹریس تھی۔ جس کی فلمیں دیکھنے کے لئے

لوگوں کو کئی کئی دن بعد بھی بلیک میں نکت خریدنے پڑتے

اور جس کی تعریفوں سے ملک کے اخبارات اور رسالے بھرے رہتے۔

جو فلم انڈسٹری کی جان سمجھی جاتی تھی۔

آج

فلم انڈسٹری کی جان اسپتال کے بنگ پر تنہا پڑی تھی۔

اسپتال آئے اسے کئی روز ہو گئے تھے۔

مگر اسے کوئی پوچھنے نہ آیا

اسے یاد آیا کہ کچھ عرصہ پہلے جب وہ بہت بڑی ہیروئن تھی۔

تب اسے معمولی سا زکام ہوا تھا۔

اور اس کی کوئی بھی لوگ ہی لوگ تھے کوئی ڈاکٹر کو بلا رہا تھا

کوئی دوائیں منگوا رہا تھا اور کوئی اس کے لئے خود سوپ تیار کر رہا تھا
مگر آج
صرف یادوں کا دھواں تھا
اور وہ اکیلی
پندرہ دن بعد اس کا اپریشن ہونے والا تھا۔
ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ اس کا دایاں بھیسٹرم بیکار ہو چکا ہے۔
نرس نے آکر اس کے خیالوں کا سلسلہ بکھیر دیا۔
میڈم!
نرس کی آنکھوں میں حسرت سی تھی۔
میڈم نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔
میڈم ہمارے اسپتال کی کچھ نرسیں آپ کو دیکھنا چاہتی ہیں، باہر کھڑی ہیں،
بلا لاؤں۔

کیا کریں گی مجھے دیکھ کر
میڈم نے ٹھنڈا سانس لیا
بس جی کتنی ہیں کہ آپ سے ملنے کا انہیں بہت شوق ہے۔
نرس بولی
بلا لو
.....

نرس باہر نکلی اور اگلے ہی لمحے کچھ لڑکیاں اس کے ساتھ آگئیں۔
آئیے بیٹھے بیٹھے
میڈم خوش دلی سے بولی
لڑکیاں جھجھک رہی تھیں اور میڈم کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔
دل میں کہیں خوشی کی میٹھی سی چہن ہوئی۔
میں اب بھی کم نہیں ہوں۔
مجھ سے ملنے کے لئے یہ لڑکیاں کتنی بیتاب نظر آتی ہیں۔
مجھے دیکھنے کی حسرت ان کی آنکھوں میں تڑپ رہی ہے۔
میں میڈم نوری ہوں میں کچھ ہوں
یہ ابھی میری تعریف میں زمین و آسمان ایک کر دیں گی۔
بیٹھے
وہ مسکرا کر بولی
لڑکیاں کھڑی رہیں
آپ میڈم نوری ہیں؟
ایک لڑکی حیرت سے بولی
آپ کو کوئی شک ہے
وہ مسکرا کر بولی
ہائے جی بالکل نہیں لگتا کہ آپ وہی ہیں۔

لڑکی نے ج اگل دیا۔

میڈم کے دل کی بیٹھی چھین نہیں سی بن گئی مگر اب بھی اسے امید تھی کہ
دوسری لڑکیاں وہی کچھ کہیں گی جو اس نے سوچا تھا۔
آپ کی فلمیں ہم بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔
دوسری لڑکی بولی۔

اچھا.....

میڈم کو کچھ حوصلہ ہوا۔

آپ جیسی ایکٹنگ ابھی تک کوئی نہیں کر سکی۔

چچی، آپ تک تو یہ نئی لڑکیاں ساری عمر نہیں پہنچ سکتیں۔
وہی لڑکی بولی.....

شکریہ.....

میڈم کا چہرہ سرخ ہو گیا..... بہت عرصے بعد تعریف سنی تھی نا.....

میں تو کہتی ہوں آپ انڈسٹری کو نا چھوڑیں.....

لڑکی بولی.....

کیوں.....؟

میڈم نے پوچھا۔

فلم انڈسٹری کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔

میڈم کے اندر جو بیروئین بیٹھی تھی وہ جیسے اچھل کر باہر آگئی۔

اس لڑکی کو بڑے پیار سے دیکھا۔

کہنے لگی.....

نہیں نہیں، اب تو میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔

میرا مطلب بھی یہی تھا.....

کیا.....؟

میڈم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

میرا مطلب ہے کوئی ماں وغیرہ کا کردار تو آپ کو مل ہی جائے گا..... آپ

بوڑھی عورت کا کردار کریں نا..... چچی، بڑا مزہ آئے گا، آپ کا یہ روپ دیکھ کر۔

لڑکی بول رہی تھی.....

اور میڈم کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے، اس سے آگے اس نے کچھ

نہیں سنا.....

لڑکیاں بول بول کر چلی گئیں.....

مگر وہ خاموش تھی.....

لڑکی بھی اسے بتا گئی تھی.....

کہ وہ کیا بن گئی ہے.....

اب تو اسے یقین آنے لگا تھا.....

آئینہ ج کتا ہے.....

لڑکیاں ج کہتی ہیں.....

میں بوڑھی ہو گئی ہوں
اس نے تکلے میں چہرہ چھپا لیا



ہر انسان کی زندگی میں یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہوتا ہے اور یہ سلسلہ
کبھی کبھی اتنا طویل کھینچتا ہے کہ مختلف یادیں ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے میں
پوست ہو کر ایک مستقل صورت اختیار کر لیتی ہیں، تب زندگی کا ایک بھرپور تصور
نظروں کے سامنے آ جاتا ہے۔

آج کل میڈم نوری بھی ماضی میں ڈوبی رہتی۔
کبھی کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتی
کبھی کچھ گم کرنے کی کوشش کرتی۔

اسپتال کے اس تنہا اور دور اداس کمرے میں لیٹے ہوئے اسے خیال آتا۔
وہ سوچتی حساب کرتی۔

اس زندگی کا جو اس نے گزار دی ہے کیا کھویا اور کیا پایا ؟
سوچ سوچ کر نتیجہ یہ ہی نکلتا
جو کچھ بھی پایا کم ہے

اور جو کھو چکی ہوں وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ تھا۔

یادوں سے پہچھا بھی تو نہیں چھڑایا جاسکتا تھا۔

ان کی حقیقت تو اس آئینے کی طرح ہے، جس میں اپنی شکل دیکھنے کے بعد نہ جانے کیسے کیسے خیال ذہن میں سرابھارتے ہیں ضد کرتے ہیں بنائے۔

یادیں ہو یا آئینے

دونوں ہی حقیقت ہیں

زندگی کا کیونوس ہی کچھ ایسا ہے کہ اس پر مختلف تصویریں مختلف اوقات میں مختلف رنگ و آہنگ کے ساتھ ابھرتی ہیں مٹی ہیں پھرا بھرتی ہیں پھر مٹی ہیں۔

اور یہ ابھرنے مٹنے کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک زندگی کے کیونوس میں ذرا سی بھی سفیدی باقی رہتی ہے۔

سیاہی آئی

یادیں آئینے تصویریں سب خاموش

کیونوس پر لاکھ برش مارو رنگ پھیرو، لیکن کوئی تصویر واضح طور پر ابھرتی ہی نہیں اور سفید رنگوں سے لکیریں کھینچ کر تصویر کون بنائے۔

اگر ایسا ہوتا

تو ابلیس آدم کے پیکر کو سجدہ ہی نہ کر لیتا

انسان جنت میں ہی نہ رہتا

دنیا میں آتا ہی کیوں؟

میڈم نوری کی زندگی بھی اب سیاہ کیونوس میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اور اب تو اسے اس کی خواہش بھی نہیں تھی کہ سفید دودھ جیسی تصویر

بنائے۔

لیکن پھر بھی

اس کی زندگی میں یادوں کی اپنی ایک واضح حقیقت تھی۔

یادیں

اس کی زندگی میں مختلف شیزڈز۔

مختلف تصویریں

مختلف آئینے

اور یہ سب کچھ اس کی زندگی کے حادثات تھے۔ ان حادثات نے اس کی

زندگی کی ایک ایسی تصویر پیش کی تھی جسے دیکھنے کے بعد کسی کو بھی اس سے

ہمدردی نہ ہوئی تھی۔

وہ جذبہ ہی پیدا نہ ہوتا تھا جسے لوگ ہمدردی کہتے ہیں۔

پتہ نہیں کیوں

شاید اس لئے کہ لوگوں کی نظروں میں اس نے خود ہی اپنے آپ کو گرایا

تھا۔

شاید اس لئے کہ

اس نے چمک دمک کو پسند کیا تھا
 اس نے دولت کی تمنا کی تھی۔
 اور پیار بھرا دل توڑا تھا۔
 شاید اس لئے کہ
 وہ طوائف تھی
 وہ ایکٹریس تھی
 وہ بے وفا تھی
 وہ مطلب پرست تھی
 وہ عیش و عشرت کی دلدادہ تھی
 شاید
 نرس نے دوا اس کے منہ سے لگا دی
 اور اس کے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا
 کیا بجا ہے؟
 اس نے نرس سے پوچھا
 تین بجے ہیں
 نرس نے گھڑی دیکھی
 اوہ ابھی دن باقی ہے
 آپ کو کوئی صاحب ملنے آئیں ہیں

بیرا اندر آکر بولا
 مجھے؟
 میڈم حیرت سے بولی۔
 جی ہاں
 بلالو
 میڈم کے چہرے پر کرب ہی کرب تھا
 اگلے ہی لمحے بیرے کے ساتھ ایک لمبے قد کا سارٹ آدمی اندر آیا
 آداب
 اس نے جھک کر کہا
 میں نے پہچانا نہیں
 میڈم اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی
 مجھے زلفی کتے ہیں اور میں روزنامہ آئینہ کا ایڈیٹر ہوں
 تشریف رکھئے
 میڈم اٹھ کر بیٹھ گئی
 کیسے مزاج ہیں آپ کے؟
 زلفی سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
 زندگی کے دن پورے نہیں ہوئے ابھی
 میڈم دکھ سے بولی

ادہ

کیسے زحمت کی

میڈم ہمدردی کے ہول سنا نہیں چاہتی تھی اس لئے جلدی سے بولی

میں یہاں اسپتال میں کسی عزیز کی عیادت کے لئے آیا تھا، پتہ چلا یہاں آپ زیر علاج ہیں۔

آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں تین سال پہلے میں نے آپ کا انٹرویو چھاپا تھا

یاد نہیں

میڈم آہستہ سے بولی

ہاں تو میں نے سوچا کہ آپ طبیعت بھی پتہ لوں اور اخبار کے لئے آپ کا انٹرویو بھی بنالوں

اب اسے کوئی نہیں پڑھے گا

میڈم ہنسی

ایسی بات نہیں میڈم

زلفی ہنس کر بولا

اچھا ہوا آپ آگئے میں خود ہی ان دنوں ایک خبر دینے والی تھی۔

میڈم بولی

عکس

زلفی نے کہا

میں اپنی سوانح حیات لکھنا چاہتی ہوں، دو ایک روز میں شروع کروں گی۔

میڈم نے نکتے کے نیچے سے سگریٹ اور ماچس نکالی

بہت خوب

زلفی اس خبر کو سن کر اچھل پڑا

آپ یہ خبر اخبار میں شائع کر دیں

میڈم سگریٹ سلگا کر بولی۔

ضرور ضرور مگر میڈم آپ کی اس خبر کے ساتھ ایک عجیب سا سوال

میرے ذہن میں آیا ہے معذرت کے ساتھ پوچھوں گا

زلفی مسکرا کر بولا

میڈم نے سوالیہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

یہ سوانح حیات جو آپ لکھیں گی سچے واقعات پر مبنی ہوگی یا کہیں

پردہ پوشی بھی کی جائے گی ؟

زلفی نے مسکرا کر سوال کیا

میڈم نے ایک لمحہ کے لئے زلفی کی طرف دیکھا، پھر سگریٹ ہونٹوں سے

لگالیا کچھ لمحے یوں ہی خاموش خاموش سے بیت گئے۔

میڈم نے زلفی کی طرف دیکھا، کہنے لگی۔

یہ سوانح حیات میں نہایت ایمان داری سے لکھوں گی، بالکل سچے واقعات۔
میں کون تھی، کہاں کہاں گئی کن کن لوگوں سے میرے مراسم رہے
کن کن لوگوں نے مجھے کھلونا بنایا۔ کہاں کہاں میں بلیک میل کی گئی کہاں
میں خریدی گئی کہاں میں نے لوگوں کو خریدا میرے ساتھ کیا
ہوا کیوں ہوا میں نے کیا کیا یہ سب کچھ ہوگا، اس میں
زلفی کو اپنے اخبار کی مانگ بڑھتی دکھائی دے رہی تھی، پہلو بدل کر بولا۔

ایک عجیب سا سوال اور ہے۔

سارے عجیب سوال کر ڈالیے معذرت کی ضرورت نہیں
میڈم سنجیدگی سے بولی
آپ نے فرمایا کہ آپ سوانح حیات میں بالکل سچے اور صحیح حالات تحریر
کریں گی کیا اس سوانح حیات میں ان لوگوں کے صحیح نام ہوں گے یا فرضی،
جن کے حالات آپ لکھیں گی
بالکل صحیح نام
میڈم سنجیدگی سے بولی
کیا خیال ہے اس سلسلے میں آپ احتیاط نہیں برتیں گی ؟
زلفی مسکرا کر بولا
بالکل نہیں بے شک وہ لوگ آج بھی اس دنیا میں موجود ہیں، لیکن
میں اب اس اسٹیج پر ہوں کہ مجھے نہ زندگی کی تمنا ہے، نہ موت کا ڈر اور نہ

ہی میں کسی قانونی چارہ جوئی سے خوفزدہ ہوں جو کچھ بھی ہوا وہ میں
بالکل صحیح تحریر کروں گی
یہ سوانح حیات کب تک مکمل ہو جائے گی ؟
زلفی بولا
آج سے پندرہ روز بعد میرا آپریشن ہے اور اسی دن یہ سوانح حیات مکمل ہو
جائے گی۔

میڈم نے دوسرا سگریٹ سلگایا۔
کیا میں اس سوانح حیات کو چھاپنے کا فخر حاصل کر سکتا ہوں ؟
زلفی مطلب کی بات پر آگیا۔
ضرور مگر اس کی رائیٹلٹی طے کر لیجئے۔
میڈم بولی۔
میں ہر ایڈیشن پر دس ہزار روپے پیش کر سکتا ہوں۔
زلفی نے کہا
کم ہیں
میڈم آہستہ سے بولی
آپ حکم دیجئے پھر
میں ہزار روپے ہر ایڈیشن پر دینے ہوں گے آپ کو۔
میڈم بولی
.....

زلفی خاموش ہو گیا۔ لیکن وہ اس پر بھی راضی تھا، میڈم کی سوانح حیات اسے لاکھوں روپے کا مالک بنا سکتی تھی.....

ٹھیک ہے.....

میڈم بولی.....

مگر یہ سوانح حیات میں ہی چھاپوں گا میڈم، ہو سکتا ہے یہ خبر سن کر کئی لوگ اسے چھاپنے کی خواہش ظاہر کریں۔

زلفی بات چکی کرنا چاہتا تھا۔

میں نے وعدہ آپ سے کیا ہے۔

میڈم بولی۔

شکریہ..... تو خدا حافظ..... زلفی باہر نکل گیا اور میڈم نے اپنے آپ کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

یہ رائیٹلی میں ایک ایسے شخص کے نام کرنا چاہتی ہوں جس کے لئے میں نے آج تک کچھ نہیں کیا..... جس کے لئے میں بہت کچھ کرنا چاہتی تھی، لیکن کچھ نہ کر سکی۔

میڈم کے چہرے پر دکھ کا سایہ لرایا.....

وہ شخص کون ہے.....؟ نام پوچھ سکتا ہوں۔

زلفی نے پوچھا.....

ابھی نہیں..... جس دن میں سوانح حیات آپ کے حوالے کروں گی اس شخص کا نام بھی آپ کو بتا دوں گی۔

بہت بہتر.....

زلفی بولا.....

میں آج سے پندرہ روز بعد حاضر ہوں گا۔

زلفی اٹھ کر بولا.....

اس کی پہلنی کی آپ کو اجازت ہے.....

میڈم نے کہا.....

شکریہ..... میں کل سے ہی پہلنی شروع کر دوں گا اور ملک کے سارے

اخباروں، پریچوں، ٹیلی ویژن، سینما، ریڈیو اور پوسٹروں کے ذریعے یہ خبر پھیلا دوں

ملک کی مایہ ناز ایکٹرلیس میڈم نوری کی سوانح حیات۔
 میڈم نوری اپنی سوانح حیات لکھ رہی ہیں۔
 میڈم نوری کی سوانح حیات کئی لوگوں کے لئے آئینہ ہوگی۔
 میڈم نوری صبح اور سچے واقعات لکھ کر کئی چروں سے نقاب اٹھائیں گی۔
 میڈم نوری کی سوانح حیات
 کن کن لوگوں سے تعلقات تھے۔
 ان لوگوں کے اصل نام
 میڈم نوری کی سوانح حیات۔
 بڑے بڑے اہم راز سامنے آئیں گے۔
 دوسری صبح اخبارات میں بڑی سرخی انہیں الفاظ سے تھی۔
 اور اخبار دھڑا دھڑبک رہے تھے۔
 ہر ایک نے یہ خبر چونک کر پڑی
 لیکن کچھ لوگوں کے لئے یہ خبر بجلی بن گئی۔
 صبح کا وقت تھا
 ناشتے کے ساتھ یہ اخبار مشہور زمانہ سنکر
 رضا حسن کے سامنے پہنچا
 رضا حسن اس وقت چوٹی کا فنکار تھا
 کئی بنگلوں کا مالک دو دو کاریں سارے ملک میں عزت و
 وقار اور ساتھ ساتھ شہرت
 بڑی بڑی فلمیں اس کے دم سے آباد تھیں
 یہ خبر پڑھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
 اسی وقت
 قلم کا ایک پروڈیو سراندر آگیا
 خبر دیکھی رضا صاحب۔
 قلم پروڈیو سر جس کا نام سلیم تھا بولا۔
 ہاں
 رضا کچھ پریشان تھا۔
 میڈم ٹھہرا گئی ہے۔
 سلیم ہنسا
 ہاں مگر وہ ٹھیک نہیں کر رہی۔
 رضا حسن بولا۔
 یہ تو اللہ ہی جانے کہ ٹھیک کر رہی ہے یا غلط بہر
 ہے یہ ہر جگہ اسی خبر کا چرچا ہے۔ جانے کون کون لوگ
 بھر رہے ہیں۔
 سلیم بولا
 ہاں واقعی وہ لوگ تو پریشان ہوں گے۔

کئی بنگلوں کا مالک دو دو کاریں سارے ملک میں عزت و

رضا حسن نے اپنے ماتھے سے ہینہ پوچھ کر کہا۔

آپ دو تین تصویریں بنا لیجئے۔

ریاض نے فوٹو گرافر سے کہا۔

فوٹو گرافر تصویریں بنانے لگا اور ریاض نے مسکرا کر رضا حسن کے طرف

یکھا۔

بس چند سوال کیجئے گا۔

رضا حسن نے کہا

جی بالکل باقی تو سب مجھے علم ہی ہے کئی انٹرویو لے چکا ہوں آپ

کے بس یہ بتا دیجئے کہ کیا اس مرتبہ آپ یورپ پاکستان کی نمائندگی کے لئے

بارہ ہیں ؟

ریاض نے پوچھا۔

میرے خیال میں ضرور جاؤں گا اگر میری مصروفیات نے اجازت

ہی۔

جیسا کہ آپ نے پچھلے انٹرویو میں بتایا تھا کہ آپ نے اپنا بچپن امریکہ میں

گزارا اس لئے کہ آپ کی پیدائش وہیں کی تھی مگر یہ حیرت کی بات ہے کہ آپ ہر

رنگ میں گالیتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ کا ملک میں منفرد مقام ہے۔ بس پوچھنا یہ

چاہتا تھا کہ کبھی آپ نے انگریزی زبان میں بھی کچھ لکھا ہے یا گانے میں دلچسپی

ہے ؟

رضا حسن کھویا کھویا سا تھا

مگر رضا صاحب میڈم پر بہت سارے مقدمے بنیں گے، لوگوں

صحیح نام استعمال کرے گی تو لوگ چپ رہیں گے کیا۔

رضا حسن خاموش بیٹھا تھا

ویسے میڈم کے ملنے والے بہت بڑے بڑے لوگ ہیں۔

ان کو چین نہیں ہو گا آج

ہاں

رضا حسن کے سامنے میڈم کے ساتھ گزارا ہوا زمانہ فلم کی مانند گھوم

تھا۔

اسی وقت ایک اخباری نمائندہ بمعہ فوٹو گرافر کے اندر آگیا۔

میں آج انٹرویو نہیں دے سکوں گا ریاض صاحب۔

رضا حسن جو سوچ میں کھویا ہوا تھا اسے دیکھ کر چونکا

مگر صاحب میں نے تو پہلے آپ سے الٹا ٹنٹنٹ کی تھی۔

مگر آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔

بس چند باتیں ہوں گی رضا صاحب میں کئی پرچوں میں پبلشری کرچکا

ہوں اور لوگ انتظار میں ہیں۔

ریاض نوٹ بک کھول کر سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

مگر ریاض صاحب۔

آج نہیں میں آپ کو فون کروں گا کل۔

ریاض نے پوچھا۔

رضائے کا اور سلیم منہ لٹکا کر چلا گیا۔

جی نہیں مجھے کوئی دلچسپی نہیں میرے فن پر میری جلد

پیدائش کا کوئی اثر نہیں۔

اور رضا حسن کی آنکھوں کے سامنے میڈم نوری کے الفاظ ناچنے

آپ کے والد امریکہ میں بہت بڑے تاجر تھے۔ اس کا مطلب ہے

..... میڈم نوری جو آج سے پندرہ سال پہلے نیلم بائی تھی
نیلم بائی جس کے کوٹھے پر لوگوں کا جھوم ہوتا
وہ نیم عریاں بڑھکیلے کپڑوں، خوبصورت زیورات میں بھی سجائی اپنے

شیدائیوں میں بیٹھی چمکتی ہوئی سبک سی لکیر معلوم ہوتی۔

موسیقی آپ کو ورٹے میں نہیں ملی۔

جی ہاں
رضا کھویا کھویا سا بولا
شکریہ
ریاض فوٹو گرافر کے ساتھ باہر نکل گیا
آپ کی پیدائش امریکہ کی ہے
سلیم نے پوچھا
جی جی ہاں آپ کو کوئی شک ہے
رضا مسکرا کر بولا
توبہ جی میری مجال ہاں تو پھر چلیں۔
کہاں؟
رضائے نے پوچھا
وہ ٹریک تو مکمل ہے، صرف آپ کی آواز باقی رہ گئی ہے، میں وہ گانا بکرا
کرنا چاہتا ہوں، ہیروئین کی ڈیشیں مل گئی ہیں
اور وہ خود
رضا حسن
ملک کا بہت بڑا فنکار
محلے کی مسجد میں اذان دیا کرتا
اسے وہ یاد آیا جب پہلی بار مولوی صاحب کے حکم کے مطابق
نیلم بائی سے مسجد کے لئے چندہ لینے گیا تھا
.....
شام سانولی سی ہو رہی تھی۔
حسن نے ڈرتے ڈرتے نیلم بائی کی میڑھیاں عبور کیں، دروازے پر
کھڑے وہ اندر بچے سجائے ماحول سے کچھ خائف سا نظر آ رہا تھا
اس کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی اس کے سر پر سفید ٹوپی

یہ گناہ کی آوازیں ہیں۔

مولوی صاحب نے بازار حسن کے رہنے والوں سے اسے اتنی نفرت دلائی

تھی کہ وہ ان آوازوں کو سنتا تو اسے ایسا لگتا جیسے گناہ کر رہا ہو.....

مگر ایک طرف تو مولوی صاحب اسے ان لوگوں کے سیاہ کار ہونے کا یکپھر دیتے رہتے، دوسری طرف چندہ لینے انہی کے دروازے پر بھیج دیا کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ گناہگار سیاہ کار ہی سہی لیکن ان کے دلوں میں خدا کا خوف دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ ہے..... یہ لوگ نذر نیاز دوسرے لوگوں سے زیادہ دیتے ہیں۔ ہمیشہ انہی لوگوں کے ہاں سے مولوی صاحب کے لئے بڑے بڑے تھال سج کر آتے.....

اس کی سمجھ میں یہ بات ابھی تک نہ آئی تھی کہ مولوی صاحب اس بازار میں رہنے والوں سے تو نفرت کرتے ہیں لیکن ان کے عطیے قبول کر لیتے ہیں۔

وہ نیلم بانی کے دروازے پر سما سما کھڑا تھا کہ۔

چھم چھم کرتی نیلم بانی آکر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایک استاد کی نظر اس پر پڑی تو کہنے لگا۔

کیا بات ہے بے.....

وہ جی مسجد سے آیا ہوں.....

وہ آہستہ سے بولا۔

چندہ لینے کے لئے آیا ہو گا..... جاؤ اس وقت پھر کبھی آنا۔

تھی 'سفید اونچا سا جامہ اور سفید ہی قمیض جس کے بازو پر دوسرے رنگ کے کپڑے کا پوند لگا ہوا تھا.....

اس کی رنگت سفید تھی اور نقوش چمکے تھے۔ اس نے تو بس اس حجرے میں ہوش سنبھالا تھا جو مسجد کے ساتھ ہی تھا۔ مولوی صاحب نے اسے بتایا تھا وہ گاؤں میں رہتا تھا اور جب اس کے ماں باپ مر گئے تو وہ اسے شہر لے آئے، تہ سے وہ مولوی صاحب کے ساتھ تھا۔

صبح وہ محلے کے بچوں کو سپارے کا سبق دیتا، مسجد میں پانی بھرتا، پانچوں وقت ممبر پر چڑھ کر آذان دیتا اور شام کو مولوی صاحب کے حکم پر کچھ گھروں سے را لے کر آتا.....

کھیر، حلوہ..... سالن..... چاول اور روٹیاں..... سب کچھ ہی مولوی صاحب کے گھر پہنچ جاتا اور بچا کچا اسے بھی مل جاتا۔

صبح جب بلند آواز میں قرأت کرتا تو کئی لوگ اس کی آوازیں کر جزاک اللہ کہتے..... اس کی آوازیں درد تھا.....

یہ تھی اس کی زندگی.....

یہ مسجد ایک ایسی جگہ تھی..... جہاں ایک گلی چھوڑ کر بازار حسن تھا۔ رات طلبے اور سارنگیوں کے ساتھ اڑتی اڑتی سریلی آوازیں جب اسے حجرے میں سنائی دیتیں تو وہ بے چین ہو جاتا کرتا..... اسے یہ آوازیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ مگر مولوی صاحب کا حکم تھا کہ وہ ان آوازوں کے پیچھے کبھی نہ جائے....

استاد بولا

اسے اندر بلا لیا استاد جی

نیلیم بائی اس کی معصوم سی صورت کی طرف دیکھ کر بولی۔

رہنے دو بائی جی رستہ دیکھ لیا تو چٹکارا مشکل ہو جائے گا۔

استاد بولا

نہیں استاد جی ایسا نہ کیجئے بڑا نیک لڑکا معلوم ہوتا ہے

نیلیم بائی بولی۔

آج ابے

استاد نے آواز دی تو وہ ٹھوکر کھاتے ہوئے بچا۔

لیکن ہمت کر کے اندر آ گیا۔

کیا نام ہے تمہارا ؟

نیلیم بائی نے پیار سے پوچھا

حسن

وہ آہستہ سے بولا

مکڑ والی مسجد سے آئے ہوتا

نیلیم بائی نے پوچھا

جی ہاں۔

ایک بات بتاؤ گے

نیلیم بائی نے اسے قریب بلا کر پوچھا

جن نے نظریں اٹھائیں

اس مسجد میں آذان کوئی دیتا ہے ؟

میں

حسن آہستہ سے بولا

تم ؟

نیلیم بائی حیرت سے بولی۔

حسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ج

نیلیم خوشی سے بولی

جی میں ہی آذان دیتا ہوں

حسن مسکرایا

حیرت ہے استاد جی آپ بھی تو سنتے ہیں۔ کبھی غور کیا آپ

نے کتاب درہوتا ہے ایک پکار ہوتی ہے ہے نا استاد جی

ہاں بی بی واقعی یہ لوٹا تو کمال کا ہے اس کی آواز کی تو

بہت لوگ تعریف کرتے ہیں جمعہ کے روز نعت بھی تم نے ہی پڑھی تھی

نا

استاد حسن کی طرف دیکھ کر بولا

جی جی

حسن نے کہا حسن

واہ مولا تیری دین ہے تو جس کو دے۔

استاد نے کہا استاد بولا

مجھے نعت سناؤ گے حسن کچھ دیر بعد حسن کھڑا ہو گیا

نیلیم پیار سے بولی تم آئے کیسے تھے حسن

آپ کو نیلیم اسے جاتا دیکھ کر بولی۔

حسن نے حیرت سے کہا جی مولوی صاحب نے چندہ جمع کرنے کو کہا ہے۔

ہاں کوئی حرج ہے کیا حسن بولا

جی نہیں تو ہاں ہاں ضرور ! نیلیم بائی نے دس روپے کانٹ حسن کو تھما دیا

تو پھر سناؤ بیٹھ جاؤ یہاں اور کہنے لگی میرے پاس ضرور آیا کرو تمہاری آواز سن کر ایمان تازہ

حسن اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور نعت

شروع کر دی۔

اس کی آواز کے ورد نے نیلیم بائی کو مسحور کر دیا۔

اس کی آنکھیں بھر آئیں ایک تو ذکر محمدؐ اس پر سنو

نیلیم بائی نے پکارا۔

جی

حسن مڑ کر بولا۔

پرسوں نوچندی جمعرات ہے میں نے نیاز دلوانی ہے، تم شام کو

آجانا آؤ گے نا

حسن نے اثبات میں سر ہلادیا اور باہر نکل گیا

کمال کا گلا تھا اس کا استاد جی

اس کے جانے کے بعد نیلم بولی۔

ہاں بائی جی بے شک اگر کہیں میرے ہاتھ میں ہوتا تو ملک کا

بہت بڑا فنکار بنادیتا اسے بہت کچھ ہے اس کے گلے میں استاد تو کہہ

کر اندر چلا گیا اور نیلم سوچ میں گھو گئی۔



نچندی جمعرات تھی

نیلم کے گھر بہت سی دوسری طوائفیں بھی جمع تھیں وہ سب ہی اس

وقت سفید لباسوں میں سر ڈھکے نیک بیسیاں نظر آرہی تھیں۔

نیلم نے حسن سے بہت ساری نعمتیں سنیں

سب نے ہی حسن کی بڑی تعریف کی

نیلم کو تو یوں لگتا جیسے وہ حسن کی نہیں اس کی تعریف کر رہی ہیں

اس روز اس نے مولوی صاحب کو کھانے کے بڑے بڑے تھال

بجوائے۔

اور حسن کو کافی دیر اپنے پاس بٹھائے رکھا

کل آؤ گے حسن

نیلم بولی

مولوی صاحب اجازت نہیں دیتے۔

بت
 مگر مجھے اچھا نہیں لگتا
 کیوں؟
 تم نہیں سمجھ سکو گے خیر تم یہاں ضرور آیا کرو۔
 مجھے نصیحتیں سنایا کرو
 مجھے ریڈیو کا گانا بھی آتا ہے
 حسن جلدی سے بولا
 ریڈیو کا گانا وہ تم نے کہاں سے سیکھا
 ایک دن سنا تھا بس اُمیہ سناؤ
 نیلم بولی
 حسن نے ایک فلمی گیت شروع کر دیا، بول کچھ صحیح نہیں تھے، لیکن طرز
 صحیح تھی
 بت اچھا ہے اچھا یہ لو
 نیلم نے کچھ روپے حسن کے ہاتھ میں دیئے
 یہ مولوی صاحب کو دینے ہیں کیا؟
 حسن سادگی سے بولا
 نہیں، اپنے پاس رکھو اپنے لئے کپڑے بنانا۔
 نیلم نے کیا

میں مولوی صاحب سے تمہیں مانگ لوں
 نیلم بولی
 مانگ لیجئے مگر مسجد کا کام کون کرے گا۔
 حسن مسکرا کر بولا
 کیا کام کرتے ہو تم
 پانی بھرتا ہوں جھاڑو دتا ہوں صفیں بھاڑتا ہوں، اور بچوں
 کو سبق بھی دیتا ہوں
 حسن نے کہا
 اتنا سارا کام
 نیلم بائی بولی
 جی ہاں
 یہ اچھا کام ہے، حسن مسجد اللہ کا گھر ہے نا اور اللہ کے گھر کا خادم
 بہت نیک ہوتا ہے جیسے تم ہو
 نیلم بائی بیمار سے بولی
 آپ کا گھر بھی تو بہت اچھا ہے
 حسن نے حیرت سے کہا
 تمہیں اچھا لگتا ہے؟
 نیلم نے دکھ سے کہا

منہ کا باج بھی خریدوں
 خرید لینا، نیلم ہنسی
 اور حسن خوش خوش باہر نکلا گیا۔

حسن کا نیلم بائی کے ہاں روز آنے جانے کے متعلق جب مولوی صاحب
 پتہ چلا تو انہوں نے غضب ناک ہو کر حسن کو لکڑی سے خوب پٹا
 اس کے سارے جسم پر نیل پڑ گئے۔
 اس رات وہ حجرے میں پڑا سکتا رہا۔
 مولوی جی نے اسے بہت مارا تھا کہ وہ گناہ کے بازار میں کیوں جاتا ہے۔
 اسے لگا مولوی صاحب غلط کہتے ہیں۔

نیلم بائی جیسا تو دنیا میں کوئی نہیں وہ کتنا پیار کرتی ہے اس سے؛ جب
 بھی وہ جاتا ہے اس کو اچھی اچھی چیزیں کھلاتی ہے، اس سے اچھی اچھی بات
 کرتی ہے اور جب وہ اس سے لگے سنتی ہے تو اس وقت کتنی غمزہ لگتی ہے۔
 اس رات اسے بالکل نیند نہ آئی

اور پھر اسی طرح تین چار دن گزر گئے تو نیلم بائی خود اس کے حجرے میں
 آگئی

اسے کچھ کروہ رو دی

تمہیں کیا ہوا حسن؟

مولوی صاحب نے مارا ہے
 حسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا
 کیوں؟
 نیلم روہانسی ہو رہی تھی۔

وہ کہتے ہیں آپ کے پاس نہ جایا کروں
 حسن اٹھ کر بیٹھ گیا

میں ابھی مولوی صاحب سے بات کرتی ہوں
 نیلم بائی اٹھ کر مولوی صاحب کے پاس چل دی
 اور پھر تھوڑی سی دیر میں واپس آگئی مولوی صاحب بھی اس کے
 ساتھ تھے

چلو حسن آج سے تم میرے پاس رہو گے۔
 نیلم بولی

حسن نے سہم کر مولوی صاحب کی طرف دیکھا۔
 ہاں ہاں جاؤ بیٹا

مولوی صاحب نے کہا

اور وہ چھٹانگ لگا کر اٹھ بیٹھا

اور نیلم کے ساتھ چلا آیا

وہ کوٹھے سے کوٹھی میں آگئی
 حسن اس کے ساتھ تھا

یہاں حسن پر زیادہ پابندی نہیں تھی، نیلم بائی جو اب میڈم نوری کے نام سے فلموں میں کام کرنے لگی تھی، شوٹنگ پر چلی جاتی اور حسن کالج جاتا، ریاض کرتا، مختلف ساز سیکھتا دن بڑے مزے میں گزر رہے تھے۔

حسن کافن نکھر رہا تھا

اور نوری اس کی آواز سن سن کر خوشی سے جھوم جھوم جاتی۔

شوٹنگ سے تھکی ہاری وہ تھوڑی دیر پہلے گھر آئی تھی

لیکن گھر پر بھی ملنے والے بیٹھے تھے آج کل فلم انڈسٹری میں نوری

کانام کامیابی کی ضمانت بن گیا تھا۔

لوگ بڑی بڑی رقمیں لے کر آتے اور نوری کو کاسٹ کرتے اور پھر

شوٹنگ کی۔

نوری کانام آج کل چمک رہا تھا

جب کبھی اس کی کوئی فلم ریلیز ہوتی تو وہ حسن کو بھی ساتھ لے جاتی

آج بھی اس کی فلم ریلیز ہوئی تھی، فلم کا پروڈیو سر پھولوں اور گولے کے

چمکتے ہار لئے ڈرائنگ روم میں اس کا منتظر تھا

لیکن وہ سیدھی حسن کے کمرے میں آگئی۔

کیا کر رہے ہو حسن

نیلم بائی نے اسے گانے کی باقاعدہ تعلیم دلوانا شروع کر دی

اچھے کپڑے اچھا کھانا حسن کی صورت بدل گئی۔

نیلم بائی اس سے بہت پیار کرتی، لیکن ساتھ ساتھ وہ اس پر کڑی نگرانی

بھی رکھتی حسن کو یہ بالکل اجازت نہ تھی کہ وہ کوٹھے سے باہر جائے

لڑکوں سے دوستی کرے یا یونی بازار کی رونقیں دیکھا کرے

صبح کے وقت نیلم بائی کی گاڑی اسے سکول پہنچا دیتی اور دوپہر کو سکول لے آتی۔

اس کے بعد وہ گھر میں ریاض کرتا

شام جب نیلم بائی کے گاہک آتے تو حسن کو اپنے کمرے میں ہی رہنے

حکم تھا۔

حسن کا دل بہت چاہتا کہ وہ بھی بڑے کمرے میں بیٹھ کر نیلم بائی کا بچ

دیکھے، لیکن نیلم بائی اسے ڈانٹ بھی دیا کرتی۔

اس لئے وہ خاموش کمرے میں لیٹا کتابیں پڑھتا رہتا۔

اور یوں

دن گزرتے گئے

نیلم بائی خوبصورت تھی، جوان تھی اور سمجھ دار تھی

فلم پروڈیو سر اسے فلم میں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور یوں

نوری کرسی پر اپنے آپ کو گرانے کے انداز میں بیٹھ گئی
جی کچھ نہیں یونہی موسیقی کے بارے میں ایک کتاب چھپی ہے وہ
دیکھ رہا تھا
اچھا
بہت تھک گئی ہیں آپ
حسن اس کی طرف عقیدت سے دیکھ کر بولا۔
ہاں آج پورا گانا پچھرا کر دیا ہے۔
آؤٹ ڈور تھا بہت بھاگنا دوڑنا پڑا
نوری بولی
چائے بناؤں آپ کے لئے۔
حسن بولا
میں نے نوکر کو کہہ دیا ہے تم بیٹھو
ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔
نوکر چائے کی ٹرالی اندر لاتے ہوئے بولا
کہہ دو کچھ
نوری نے کہا
جی میں نے کہہ دیا ہے کہ ہاتھ روم میں ہیں
نوکر بولا
بہت تھک گئی ہیں آپ
حسن اس کی طرف عقیدت سے دیکھ کر بولا۔
ہاں آج پورا گانا پچھرا کر دیا ہے۔
آؤٹ ڈور تھا بہت بھاگنا دوڑنا پڑا
نوری بولی
چائے بناؤں آپ کے لئے۔
حسن بولا
میں نے نوکر کو کہہ دیا ہے تم بیٹھو
ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔
نوکر چائے کی ٹرالی اندر لاتے ہوئے بولا
کہہ دو کچھ
نوری نے کہا
جی میں نے کہہ دیا ہے کہ ہاتھ روم میں ہیں
نوکر بولا

بس ٹھیک ہے
نوری نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے لی
نوکر باہر نکل گیا
حسن
نوری کھوئی کھوئی سی بولی
جی
میں ایک قلم شروع کر رہی ہوں
جی بڑی خوشی کی بات ہے
اور پتہ ہے اس قلم میں سارے گانے تم گاؤ گے
جی
حسن حیرت اور مسرت سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
ہاں حسن یہ قلم میوزیکل ہوگی، میں اس میں کام کروں گی اور
میرے ساتھ چوٹی کے ستارے، یعنی اے کلاس ٹیم، اور تمہاری میں اتنی پلینٹی
کروں گی کہ لوگوں کو تمہاری آواز سننے کی بے قراری ہوگی، وہ انتظار کریں
گے میں اس انڈسٹری کو ایک نادر تحفہ دے رہی ہوں اس ملک کو
ایک بہت بڑا فنکار دے رہی ہوں میں میں حسن
نوری خوشی میں بول رہی تھی۔
اور حسن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے نوری کے پاؤں پکڑ لئے اور اپنی آنکھوں سے لگا کر بولا۔
میں نے تو کبھی ایسا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

پاگل ہو حسن اٹھو

نوری نے اسے اٹھایا اور کہنے لگی نئی زندگی کے ہنگاموں سے
بھرانہا نہیں حسن بس یہ سمجھتا کہ تم سب سے اچھے ہو اپنے
آپ کو بہت بڑا سمجھتا حسن

جو لوگ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے وہ اس ملک میں مر جاتے ہیں
وہ اتنے نیچے ہو جاتے ہیں کہ پھر کبھی ابھر نہیں سکتے اس لئے میری تہنیر
ایک ہی نصیحت ہے

اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتا ایسی جگہ پر تصور کرنا، جہاں سب لوگ تم
سے نیچے ہوں پھر دیکھنا لوگ تمہارے پیچھے بھاگیں گے، تمہیں آنکھوں پر
اٹھانے کو بیتاب نظر آئیں گے۔

حسن اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

پرسوں میں فلم کا افتتاح کروں گی اور پرسوں ہی تم پہلا گانا گاؤ گے
کل کے سارے پرچوں میں تمہاری تصویریں چھپیں گی، کل تمہیں میوزک
ڈائریکٹر ہرسل کروانے آئے گا۔

یہ پہلا گانا تمہارا مقدر ہے حسن

اپنے مقدر کو حسین بنانا اب تمہاری محنت ہے۔

نوری نے اٹھ کر حسن کے کندھے کو ہتھ پٹپٹایا اور باہر نکل گئی

اور حسن کے سامنے، رنگ جھل جھل کرنے لگے

میڈم نوری کا ایک ایک لفظ جیسے اس کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

یہ گانا تمہارا مقدر ہے

تم اپنے آپ کو ہمیشہ بہت اونچا تصور کرنا

سمجھ لینا کہ سب تم سے نیچے ہیں وہ تصویر ہی تصویر میں وہاں

ہنچ گیا۔

جہاں بلند یوں کی حد تھی

اس نے دیکھا لوگ اس کے آؤگراف لینے کے لئے نیچے کھڑے

ہیں اور وہ رنگوں اور روشنی کی دنیا میں گھیرا ہوا، کتنا مسرور ہے۔

حالی نہ بھری۔

یہ دن حسن کی زندگی کا یادگار دن تھا.....

وہ میڈم نوری کی ہدایت کے مطابق محنت کرنا گیا۔

کئی گیت بنے.....

سارے کے سارے ہی خوبصورت اور پراثر تھے۔

میوزک ڈائریکٹر اسے اپنی فلموں میں لینے کو بیتاب تھے۔

لیکن میڈم نوری نے ابھی تک اسے اجازت نہ دی تھی۔

اور پھر.....

قلم مکمل ہو گئی.....

حسن کی مقبولیت کئی کئی پھیل گئی.....

اس کے نغمے ریڈیو، ٹیلیوژن، قلم کے علاوہ بچے بچے کی زبان پر تھے۔

میوزک کی وجہ سے قلم نے گولڈن جوبلی کی.....

اور حسن کو کئی ایوارڈ ملے.....

حسن کی مقبولیت دیکھ کر میڈم نوری کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

اس روز فلموں کا ایک بہت بڑا اور مشہور ڈائریکٹر حسن کی آواز کے لئے

میڈم نوری کے پاس آیا.....

حسن بھی بیٹھا تھا.....



حسن کا پہلا گانا اس کا مقدر تھا.....

اور مقدر ایک ہی دن میں چمک اٹھا تھا.....

جس روز قلم کی صورت تھی۔ کئی لوگ حسن کا گانا سننے آئے.....

اس کی آواز سن کر ہر ایک نے واہ واہ کی.....

ہر ایک نے داد دی.....

اور ساری تعریفیں سن کر میڈم نوری خوشی سے پاگل ہوئی جاری

تھی..... حسن شرمایا شرمایا سا تھا۔

گانا ٹیک ہوا تو اسے سننے کے لئے تقریباً سارا اسٹوڈیو میوزک ہال میں جمع

ہو گیا۔

حسن پھولوں کے ہاروں سے لدا لوگوں کی رائے سننے کو بیتاب تھا۔

اور سب کی رائے اس کی توقع سے بڑھ کر تھی.....

اسی رات اسے کئی آفر ملیں..... لیکن میڈم نوری نے ابھی کسی سے

میڈم نے ڈائریکٹر سے طرح طرح کی باتیں کیں۔

عجب عجیب شرطیں سامنے رکھیں۔ جن میں بھاری معاوضہ، گراموفون کمپنیوں کی رائیلیٹی اور ریڈیو اسٹیشن کی رائیلیٹی سرفہرست تھیں۔

جس کے لئے ڈائریکٹر پس و پیش کر رہا تھا۔

حسن کو پہلی بار میڈم نوری پر غصہ آیا

اس نے سوچا

آخر یہ اتنی شرطیں کیوں لگا رہی ہیں یہ ساری شرطیں شاید صرف اس

لئے ہیں کہ ڈائریکٹر تنگ آکر واپس چلا جائے

اس کے ذہن میں پہلی بار ایک کھلبلی سی بچ گئی۔

میڈم نوری مجھے قید رکھنا چاہتی ہے

وہ کیوں نہیں چاہتی کہ مجھے زیادہ کنٹریکٹ ملیں۔

باغیانہ سے خیالات نے حسن کو ڈانواں ڈول کر دیا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ڈائریکٹر میڈم نوری کی شرطیں مان گیا اور ایڈوانس

کی رقم بھی دے گیا۔

میڈم نوری رقم اور کنٹریکٹ لے کر حسن کے کمرے میں گئی۔

تو دیکھا

وہ دیوار کی طرف منہ کئے ادا اس سالیٹا ہے۔

کیا بات ہے حسن

میڈم نوری نے پوچھا

حسن خاموش رہا

طبیعت تو ٹھیک ہے نا

حسن تب بھی خاموش رہا

کیا ہوا تم وہاں سے اٹھ کر کیوں آگئے ؟

نوری نے پوچھا

میں بیٹھ کر وہاں کیا کرتا

حسن آہستہ سے رنجیدہ سی آواز میں بولا۔

کیوں

نوری کو تعجب سا ہوا

سارے فیصلوں کا حق تو آپ کو ہے نا آپ نے اپنی مرضی کرنا ہے۔

پھر میں کس لئے بیٹھتا

حسن

میڈم کو یوں لگا جیسے کمرے میں زلزلہ آگیا ہے

حسن کی آواز کے طعنے اس کا سینہ چیر کر رکھ دیا

وہ عقل مند اور سمجھدار تھی برداشت کر گئی

کہنے لگی

اور تم ناراض ہو گئے
 میں ناراض تو نہیں البتہ ایک بات سوچ رہا ہوں
 حسن آہستہ سے بولا
 کیا؟

یہی کہ آپ نے میرے فن کو جلا بخشی ہے مجھ پر بڑی محنت کی
 ہے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ نے مجھے نہ جانے کیا بتا دیا ہے لیکن
 لیکن

کیا صرف اپنے لئے

نوری نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

امنڈے والے کالے کالے جذبات کو چھپا کر ہنسنے لگی

بس اتنی سی بات پر خفا ہو گئے

حسن خاموش بیٹھا رہا

یہ دیکھو یہ کیا ہے

نوری نے کانڈ اس کے سامنے پھیلا دیئے

حسن نے سرسری سی نظر ڈالی

یہ کنٹرکٹ ہے اور قلم والے میری شرطیں مان گئے ہیں تم کچھ
 نہیں جانتے کہ یہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ یہ کاروبار کیسے چلتا ہے شہرت کیسے ملتی
 ہے اور انسان چھوٹا کیسے بنتا ہے میں میں چاہتی ہوں حسن تمہارا

مقابلہ کوئی نہ کر سکے۔ اگر میں یونی ان کی باتیں ماننے لگ جاؤں اور تم ہر اچھی
 بری قلم میں گانے لگو تو تم دیر تک نہیں چل سکو گے مختلف میوزک
 ڈائریکٹر تمہارا یا تو ایک ہی انداز بنادیں گے یا تم سے ایسے گانے گوائیں
 گے کہ تم مر جاؤ گے

نوری بڑے پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔

اور حسن شرمندگی کے احساس سے کٹا جا رہا تھا۔

اسے اپنی سوچ پر غصہ آرہا تھا

میں نے اس عظیم خاتون کے بارے میں کیا سوچا

چہرہ سرخ ہو گیا آنکھوں میں آنسو آگئے کہنے لگا۔

مجھے معاف کر دیجئے

ارے کیسی معافی

نوری ہنس کر بولی

میں نے میں نے پتہ نہیں کیا سوچ لیا میں بہت برا ہوں۔

حسن کی آنکھوں میں آنسو بہہ نکلے

پاکل نہ بنو حسن

نوری نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

حسن نے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

آؤ کھانا لگ گیا ہے

نوری اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی
اور وہ شرمندہ سا اس کے ساتھ چل دیا



اور یوں حسن دوسری فلموں کے لئے بھی گانے لگا
اس کی شہرت اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملکوں تک پھیل گئی۔
باہر نکلا تو دنیا نہایت حسین لگی
خوبصورت تھا۔ جوان تھا چاہنے والے بھی مل گئے۔
ان ہی دنوں ایک نئی ہیروئین شادی دیکھتے ہی دیکھتے شہرت پا گئی۔ شادی
خوبصورت تھی اور اچھی فنکارہ بھی فلمیں ہٹ ہونے لگیں۔ شادی کا
ستارہ عروج پر تھا
حسن کی شادی سے پہلی ملاقات ہی کچھ عجیب انداز میں ہوئی
کسی فلم کی رسم افتتاح تھی شادی اس فلم کی ہیروئین تھی اور
مسورت کا گانا حسن گارہا تھا۔ شادی کو اکثر اسٹوڈیو آتے جاتے حسن نے دیکھا تو تھا
مگر دونوں کا باقاعدہ تعارف نہیں تھا۔
مسورت کے بعد جب حسن نے گانا ٹیک کرا دیا تو شادی بہت ہی متاثر

ہوئی۔

بو تھ میں ہی چلی آئی

بہت خوبصورت گاتے ہیں آپ

شازی بغیر تعارف کے بولی

شکریہ غائبانہ تعارف تو آپ سے تھا ہی

آپ کی پرفارمنس بھی تو لا جواب ہوتی ہے۔

حسن بولا

کاش میں مرد ہوتی

شازی ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔

کیوں ؟

حسن ہنسا

آپ کے گائے ہوئے نغمے تو پکھراڑے ہوتے مجھ پر۔

شازی بولی

واقعی جان پڑ جاتی نغموں میں۔

حسن مسکرا کر بولا

اب کیا ہو سکتا ہے

شازی مسکرائی

ممبر جو صلہ

حسن جلدی سے بولا

اور یہ چھوٹی سے ملاقات لمبی اور طویل ملاقاتوں میں تبدیل ہو گئی

شازی اور حسن کا چرچا اسٹوڈیو میں ہونے لگا۔

اور پھر یہ خبریں اخباروں میں بھی چھپنے لگیں۔

یہ خبر میڈم نوری نے بھی سنی

حسن اب زیادہ وقت باہر رہتا تھا۔

میڈم نوری کی مارکیٹ آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ اس لئے آج کل

اس کی پاس زیادہ فلمیں نہیں تھیں۔

وہ زیادہ تر گھر رہتی

لیکن حسن غائب ہوتا

پہلے تو حسن میڈم کو بتا دیا کرتا کہ وہ کہاں مصروف ہے پھر ہمانے

بنانے لگا اور پھر وہ اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا تھا بیزار سا

رہتا

اسے تو یوں لگتا جیسے اس نے ساری کائنات کو مسخر کر لیا ہے۔

شازی کی محبت کے نشے میں چور ہر وقت مدھوش رہتا شازی کی محبت

میں کتنی تیزی۔ کتنی لطافت تھی۔

اس کے گلزار ہونٹوں کی آتشیں مستی اس کی سلگتی ہوئی عواں

باہوں کا گداز اور اس کی ٹیلی آنکھوں کا جادو اس کے وجود میں کھل چکا تھا۔

یہ نہ اترنے والا نشہ تھا۔

حلقے میں جذب ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

اور یہ نشہ چاندنی کی سیمیں لہروں پر بہتی ہوئی بہت ساری بہکی بہکی راز کے سینے میں اتر گیا تھا۔

اس نے کئی راتیں شادی کے پہلو میں گزاریں اور جب وہ گھر آتا تو مہ نوری کی آنکھیں جیسے اس میں کچھ ڈھونڈتی رہتی۔

ان آنکھوں سے اسے خوف آنے لگا تھا.....

اس رات شادی کی سالگرہ تھی۔

تمکنت اور غرور میں ایک مرعوب کن سحر تھا۔

لوگ اس کی قوت کے لئے ترپتے تھے۔

مگر وہ حسن کی دیوانی تھی۔

اور حسن کو اس کی محبت نے مغرور بنا دیا تھا۔

یوں بھی میڈم کی تربیت نے اسے احساس کمتری سے بہت دور کر دیا تھا۔

وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اونچی جگہ تصور کرتا.....

حسن.....

وہ تبسم کے پھول بکھرتی۔ اس کے سینے میں منہ چھپا کر بولی۔

ہوں.....

ہم کب تک یوں رہیں گے میرا مطلب ہے کہ شادی کب کریں گے۔

اس نے چھلکتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

حسن خاموش سا ہو گیا.....

ایک بات کموں حسن برا تو نہیں مانو گے.....

شادی کی کوٹھی کے وسیع ہال میں روشنی کی تیز جھلکاہٹوں میں انگریز سازندوں کی جذبات انگیز دھن پر رقص جاری تھا۔

میزوں پر شراب کی جام کھنک رہے تھے۔ خوشبو اڑ رہی تھی۔

اس رات پہلی مرتبہ اس نے شادی کے نازک ہاتھوں سے شراب پی

انکار نہ کر سکا.....

شادی نے جام اس کے ہونٹوں سے لگایا اور وہ مسکرا کر پی گیا۔

سازندوں کی دھن کلا نمکس کو چھو رہی تھی۔

سینے میں دھکتے ہوئے نیم عریاں نقرائی بدن اپنے ہم رقصوں کے بازوؤں میں

جھول رہے تھے۔

اور شادی جھومتی لراتی ہوئی مدھم سی سبز روشنی میں حسن کے بازوؤں کے

شازی بولی
 کیا
 تم اپنا الگ گھر کیوں نہیں بناتے۔ کب تک میڈم نوری کے پاس رہو گے
 پتہ ہے لوگ عجیب سی باتیں کرتے ہیں
 شازی نے جو بات کہی وہ حسن کئی روز سے سوچ رہا تھا
 اس کے پاس لاکھوں روپے جمع ہو چکے تھے جو میڈم نوری ہی کے کہنے
 اس نے مختلف بینکوں میں جمع کر رکھے تھے۔
 میڈم نوری نے اسے ایک کار بھی لے دی تھی۔
 اس کا ایک خاص ملازم تھا جو ہر وقت اس کی ساتھ رہتا۔
 مگر رہتا وہ میڈم نوری کے ہاں تھا
 حالانکہ یہ خواہش کئی بار دل میں مچلی
 کاش میرا اپنا گھر ہو کاش میرا گھر ہو
 خاموش کیوں ہو؟
 شازی نے پوچھا
 بس یونہی
 ایک بات تو بتاؤ
 کیا
 میڈم نوری کا تم سے کیا رشتہ ہے؟

کوئی بھی نہیں
 تو پھر تم وہاں کیوں رہتے ہو
 اس لئے کہ میں بچپن سے میڈم نوری کے ساتھ امریکہ سے آیا تھا۔
 حسن جھوٹ بولتے ہوئے پینہ پینہ ہو گیا
 میڈم نوری امریکہ گئی تھیں
 شازی نے پوچھا
 ہاں
 میرے والدین کا انتقال ہو گیا۔ میڈم نوری اس وقت ایک اچھے خاندان
 کی خاتون تھیں ان کے ابا مجھے لے آئے۔ کیوں کہ میری بہت ساری جائیداد تھی
 جس کا نگران میڈم نوری کا باپ تھا۔
 لیکن حسن میں نے تو سنا ہے میڈم نوری کسی وقت نیلم بائی تھیں۔
 شازی آہستہ سے بولی
 یہ بعد کی بات ہے
 اس وقت تم کہاں تھے
 کیس بھی تھا۔ تم یہ تفصیل کیوں جاننا چاہتی ہو؟
 حسن چڑ گیا
 ناراض ہو گئے
 شازی ہنس دی پھر کہنے لگی۔ تم اپنا ایک الگ گھر بناؤ لوگ

تمہارا شادی سے کیا تعلق ہے ؟

حسن چونکا لیکن بغیر کسی خوف کے بولا

میں شادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

اچھا بڑی خوشی کی بات ہے۔

میڈم نے ہنس کر حسن کی طرف دیکھا۔

حسن کچھ حیران ہوا اسے یہ توقع ہرگز نہ تھی ...

کہنے لگا

اس لئے میں نے انکار کر دیا تھا

یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے مگر حسن ایک بات کہوں۔ وہی باتیں کیا کرو

جو تمہارا دل چاہے۔ بات طے کرنے سے پہلے سوچا ضرور کرو یعنی اس کے

دونوں پہلو۔

حسن کو غصہ آگیا

کہنے لگا

میڈم اب میں بچہ نہیں ہوں۔ اپنا اچھا برا خوب سمجھتا ہوں۔

میڈم نے ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی

سنئے

اسے جاتا دیکھ کر حسن بولا

وہ رک گئی

تمہاری بہت عزت کرتے ہیں۔ اپنی عزت کو مشکوک نہ کرو۔

حسن سوچ میں پڑ گیا

الجھا الجھا سادہ گھر آیا

اس نے دیکھا میڈم نوری اس کے کمرے میں بیٹھی ہیں

حسن

میڈم اسے دیکھتے ہی بولی

جی

حسن کے شعور اور لا شعور میں ایک جنگ سی چھڑی تھی۔

ظاہر صاحب آئے تھے بہت انتظار کیا تمہارا

میڈم سنجیدگی سے بولی

میں ان کی فلم میں نہیں گاؤں گا

حسن بولا

کیوں

نوری نے نرمی سے پوچھا

انہوں نے اپنی فلم سے شادی کو کٹ کر دیا ہے۔

حسن جلدی سے بولا

کیوں؟ میڈم نے چبھتی ہوئی نظر حسن پر ڈالی۔

سگریٹ سلگایا اور بولی

میں اپنے لئے ایک گھر لینا چاہتا ہوں

حسن بولا

تم اپنی مرضی کے خود مالک ہو

میڈم نوری نے بغیر مزے کما اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

.....

اور پھر

وہ اس گھر سے چلا گیا

اس کے بعد کئی مرتبہ اس کا دل چاہا کہ میڈم کی خیریت دریافت کرے۔

مگر شادی کی محبت نے اسے بری طرح جکڑ لیا تھا۔

ملنے بھی نہ جاسکا

شادی نے بے وفائی کی

تو نمو آگئی

نئی گئی

تو فری آگئی

اور یوں وہ گھرتا چلا گیا

کئی بار سر رہا ہے گا بے میڈم سے آسنا سامنا ہوا

وہ ہمیشہ بڑے پیار سے اس کا حال پوچھتی۔ جانے احساس شرمندگی تھا۔ یا

اپنے افشاہونے کا ڈر

وہ شہرت کی بلندیوں پر تھا

اور میڈم ڈھلتی شام

اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا

میڈم کی حیثیت بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی

اس نے لوگوں سے سنا۔ میڈم بڑی جھگی ترشی میں وقت گزار رہی

ہے

وہ تب بھی اپنی مصروفیت میں گھرا رہا

میڈم کی اس نے کوئی مدد نہ کی

نہ ہی میڈم نے اسے کوئی سندیسہ بھیجا

پھر اسے پتہ چلا

کہ میڈم سخت بیمار ہے

اس نے یہ خبر سنی اور اڑادی

اب میڈم ہسپتال میں تھی

اور اپنی سوانح حیات لکھ رہی تھی

یہ سوچ کر حسن کو جھرجھری سے آگئی

میڈم کی سوانح حیات شائع نہیں ہونا چاہئے

جداؤں گا

لوگ مجھ سے نفرت کریں گے

لوگوں کو پتہ چل جائے گا
 کہ میں کون تھا کیا تھا
 میڈم کی سوانح حیات میرے لئے جاہی کا پیغام ہے۔
 یہ عزت یہ مقام

نہیں، نہیں
 یہ سب سوچ کر اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے
 اور اب

ایک بہت بڑے خاندان کی بیٹی سے اس کا بیاہ ہونے والا تھا
 اب کیا ہو گا
 میں میڈم سے ملوں گا

اس ساری جنگ ساری کش مکش سے تنگ آکر اس نے یہی فیصلہ
 کیا

میں میڈم کو ملوں گا
 اس سے وہ سوانح حیات خرید لوں گا



خان فخرزماں آج کل بڑے مصروف تھے ایکشن کا زمانہ تھا
 ان کا زیادہ وقت جلسے جلسوں میں گزرتا ان کے حواری سارا وقت شر کے
 مختلف علاقوں میں تقریریں کرتے نظر آتے
 اور وہ خود قوم کے غم میں پھولوں اور گونے کی ہاروں میں لدے کبھی شر
 کے جلسہ میں نظر آتے اور کبھی گاؤں کے لوگوں کو اپنی تقریروں سے متاثر کرتے
 نظر آتے آج کل انہیں بالکل وقت نہ ملتا کہ وہ گھر بھی رہ سکیں۔
 آج شام بھی وہ ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کرنے والے تھے۔ اور
 ان لوگوں میں زیادہ خوشامدی تھے۔ جو فخرزماں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے
 وقف تھے۔

فخرزماں کا شمار شر کے مشہور لوگوں میں ہوتا تھا۔

یتیم خانوں کے لئے چندہ لینا ہو تو تو فخرزماں پیش پیش کسی اور
 فلاحی ادارے کے لئے انہیں مہمان خصوصی بلایا جائے تو وہ ایسی تقریر کرتے کہ

فرشتہ معلوم ہوتے کیا پتہ کیا پتہ

نیکی کے بہت بڑے ٹھیکیدار تھے وہ

سارے لوگ ان کی بہت عزت کرتے۔ سرکاری درباری قسم کی آدمی تھے۔ ان کی سفارش کبھی رو نہیں کی جاتی تھی۔

اس لئے لوگ ان کی مداح تھے

ان ہی لوگوں کے مجبور کرنے سے وہ اس مرتبہ انکیش کے لئے امیدوار تھے۔ ان کے پاس بیٹھنے والوں کا کہنا تھا کہ ان کے حریف کو منہ کی کھانی پڑے گی کیونکہ ان کی خدمات کے سلسلے میں سب لوگ ان کے حامی ہیں

لیکن پھر بھی وہ اپنے حریف سے خوفزدہ تھے۔ لوگوں کے کروار کا کیا پتہ کون کہہ سکتا تھا کہ ان کی نیت کسی وقت بھی بدل جائے انہیں پتہ تھا کہ لوگ کیا کرتے ہیں کھاتے کسی کا ہیں اور ووٹ کسی دوسرے کو جا کر دے آتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی تجویروں کے منہ بھی کھول دیئے تھے۔

غریب مخلوق کے رہنے والوں کو گندم کی ایک ایک بوری بھی تقسیم کر چکے تھے۔

اب یہ گندم پر منحصر تھا کہ وہ ان کے بیٹوں میں جا کر کیا اثر کرتی ہے۔

کیا پتہ گندم سفارش کروے کے ووٹ فخرزماں کو دو

اور یہ بھی پتہ نہیں کہہ دے کہ۔

اس ناقد رے کو ووٹ نہ دینا اس نے میری یہ قدر کی کہ غریبوں میں بانٹ دیا۔ میں کوئی ان کے لائق ہوں

یہ معاملہ تو گندم کھانے والوں کی سوچ پر منحصر تھا۔ لیکن فخرزماں کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن اچانک ایک زلزلہ آگیا۔

قیامت برپا ہو گئی وہ قیامت تھی

میڈم نوری کا بیان میڈم نوری اپنی سوانح حیات لکھیں گی۔

فخرزماں کا رنگ پیلا پڑ گیا اب کیا ہوگا

کم بخت نے سوانح حیات چھپوانے کے لئے کونسا زمانہ منتخب کیا ہے۔ اپنے ایک بے تکلف پرانے دوست طاہر سے انہوں نے ذکر کیا۔

طاہر بھی میڈم سے واقف تھا

بہت ہی فکر مند ہوا کہنے لگا

یہ تو بڑا برا ہوا فخر صاحب

برا بہت ہے مگر ہو گا کیا

ہو گا یہ کہ عین جب پونٹک میں تین چار دن رہ جائیں گے۔ میڈم کی سوانح حیات چھپ کر مارکیٹ میں آجائے گی

لوگ سب کچھ پڑھیں گے اور حقیقت پڑھ کر لوگوں کا رد عمل کیا ہو گا۔ یہ آپ جانتے ہیں سارے کئے کئے پرانی بھرجائے گا۔

تم یہ مجھے کیوں سنا رہے ہو کوئی حل سوچو

آپ کو میڈم سے مل کر بات کرنا چاہئے۔

طاہر نے مشورہ دیا

میں اس عورت کو جانتا ہوں طاہر وہ نہایت ضدی ہے۔ اپنی بات پر اڑ جاتی ہے۔ وہ کبھی بھی میری بات نہ سنے گے

کوئی لالچ

طاہر بولا

وہ اپنی بات پوری کرے گی۔

تو پھر وہ سوانح حیات کسی طرح حاصل کر لی جائے۔

طاہر نے کہا

ہاں یہ ہو سکتا ہے مگر تم آج سے ہی اس کام کیلئے آدمی ڈھونڈو جتنا

پیسہ خرچ ہو پرواہ نہ کرنا مگر وہ سوانح حیات شائع نہیں ہونی چاہئے۔

فخر پریشانی سے بولے

تو میں جا کر کسی سے بات کرتا ہوں

طاہر اٹھ کر چلا گیا

اور فخر زماں کے سامنے میڈم کا اخباری بیان تھا

اس نے ایک ایک لفظ غور سے پڑھا

جسم پسینے سے نمائیا

اخبار کے لفظ اس کے سامنے ٹاپنے لگے اور وہ سارے لفظ تیزی سے گھومتے ہوئے ایک لفظ میں تبدیل ہو گئے۔

اور پھر وہ ایک لفظ ایک وجہ، ایک نقطہ بن گیا۔

وہ تھی رابعہ

ساتھ کو سر تک ڈھکے جھکی آنکھوں والی رابعہ

جسے آصف اس کے پاس لایا تھا

رابعہ سہمی سہمی معصوم لڑکی تھی

آصف نے اس بتایا کہ رابعہ اس کے محلے میں رہتی تھی اور اپنی سوتیلی ماں کے سلوک سے بہت پریشان تھی اور اب اس کی ماں اسے اپنے بھائی نورے سے بیاہنے کا سوچ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ آئی ہے۔

فخر آصف کا دوست تھا

فخر دولت مند نہیں تھا اور بڑے لوگوں سے تعلقات بنانے کے لئے پیش

پیش رہتا لوگوں کو گھربلا کر ان سے کام لینا اسے خوب آتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ لوگوں سے کام کیسے لئے جاتے ہیں آصف کو وہ خوش کر دیا کرتا۔ اس لئے آصف کی اس سے دوستی تھی۔

کچھ عرصہ کی محنت نے فخر کو بہت کچھ دیا تھا اب اس کے پاس نئے ماڈل کی کار بھی تھی۔ کراے پر حاصل کیا ہوا ایک مالیشان بگلہ بھی تھا۔ اس بگلے میں اس کے بیوی بچے نہیں رہتے تھے وہ خود رہتا تھا۔

اس کے بیوی اور بچے اندرون شہر کے ایک ٹنگ و تارک گھر میں رہتے تھے۔ البتہ آج کل وہ ایک بہت بڑے پلاٹ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا وہ پلاٹ صداقت خان کا تھا جسے ہتھیانے کے لئے وہ پلان بنا رہا تھا اس کا خیال تھا کہ اس پلاٹ پر خوبصورت کوٹھی بنا کر اپنے بیوی بچوں کو یہاں لے آئے گا۔ ان ہی دنوں آصف رابعہ کو لے آیا

رابعہ دکھوں سے گھبرائی ہوئی کچھ یوں آصف کے ساتھ آجانے سے سہمی سہمی تھی

وہ سہمی سہمی کرسی پر بیٹھی تھی اور بالکل سنگ مرمر کا مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔ آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں۔ قد لمبا اور جسم نہایت خوبصورت تھا انچھانو آپ کا نام رابعہ ہے

فخر مسکرا کر بولا
ہی
ہی

ایک ہی نظر میں فخر نے اندازہ لگایا کہ رابعہ پھول کی طرح شگفتہ اور اس کو خوشبو سے زیادہ نازک اور لطیف ہے اس میں رنگینی اور رعنائی ہے۔ رابعہ واقعی سورج کی جگمگاتی کرن اور چاند کا ٹھنڈا اجالا ہے۔

رابعہ کی وجہ سے وہ مالا مال ہو سکتا ہے
وہ یہ بھی جان گیا
کہ اس وقت اس کے گال بے رونق اور پشمرہ ہیں اس کی پرکشش آنکھوں میں نشیلی سی مسکراہٹ نہیں ہے بلکہ ڈر ہے خوف ہے کیا بات ہے آصف

فخر نے سنجیدگی سے آصف سے پوچھا جو خاموشی سے فخر کی نظروں کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسے رابعہ کی کتنی قیمت لگانی چاہئے۔
یہ بے چاری بہت مظلوم ہے میں نے انہیں بہن کہا ہے اور اسی وجہ سے ان پر جو ظلم ہو رہا تھا اسے بچا کر یہاں لے آیا ہوں
ہوں فخر بولا
آپ ان کو کسی کام پر لگا دیں
آصف لجاجت سے بولا
دیکھتا ہوں یہ کام کیا کر سکتی ہیں
تو میں تسلی رکھوں
آصف نے کہا

ہاں بھی تم میرے دوست ہو تمہاری خاطر یہ کام کرنا بہت ضروری ہے۔

بہت مہربانی

تو پھر میں جاؤں

آصف بولا

رابعہ ایک دم گھبرائی گئی کہنے لگی

تم کہاں جا رہے ہو بھیا

میں واپس نور مگر جاؤں گا۔ میری غیر حاضری سے کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

میں بھی واپس جاؤں گی

رابعہ کی آنکھیں بھیگ گئیں

لو وہاں کیوں واپس جاؤ گی کس مشکل سے تمہیں لایا ہوں

میں واپس جاؤں گی

رابعہ بولی

یہ سوچ لو کہ تمہاری سوتیلی ماں تمہیں نورے کے حوالے کر دی گی اور وہ مار مار کر تمہاری چوڑی اوھٹڑے گا

میرے ابا ایسا نہیں کرنے دیں گے

رابعہ بولی

تمہارے ابا کا زور چلتا تو وہ اپنی نہ منوا لیتے۔

پاگل نہ بنو وہاں جانے کا خیال چھوڑ دو۔

ذرا حالات سازگار ہو جائیں گے تو میں تمہارے ابا کو یہاں لے آؤں

گا

تم ابا کو لے آؤ گے بھیا

رابعہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بولی

کہہ جو رہا ہوں جلد ہی لے آؤں گا تم بے فکر ہو کر یہاں رہو۔ فخر

صاحب میرے دوست ہیں۔ وہ تمہارا ہر طرح خیال رکھیں گے

مگر مگر تم کب آؤ گے بھیا۔

رابعہ پریشان سی بولی

میں بس چندرہ بیس روز بعد آؤں گا

رابعہ کے آنسو بہہ نکلے۔

اور آصف اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتا ہوا ابا ہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد فخر نے نوکر کو بلایا اور کہنے لگا

اوپر والا کمرہ رابعہ کو دے دو اور ان کا ہر طرح خیال رکھنا جاؤ

رابعہ

رابعہ سہمی سہمی سی ملازم کی ساتھ اوپر چلی گئی۔ اور فخر نے آصف کو دوبارہ

پڑ جاتی ہے عیش کرو

نخر مسکرا دیا

میرا پوچھے تو ٹال دینا

میں خوب جانتا ہوں

نخر بولا

آصف ہنسا اور جھک کر سلام کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اور نخر سوچنے لگا کہ

رابعہ کو کیسے ڈھب پر لایا جائے۔

کمرے میں بلا لیا جو باہر کے کمرے میں بیٹھا تھا

ہوں کمو کیا چاہتے ہو

نخر سرگرمٹ سلگاتے ہوئے بولا

بڑی محنت کی ہے میں نے۔ دو مہینے سے شیشے میں اتار رہا تھا

مطلب کی بات کرو

نخر بولا

دیکھ لو لڑکی خوبصورت اور جوان ہے۔

میں نے دیکھ لیا ہے تم اپنی بات کرو کیا لوگے۔

دس ہزار مل جائیں گے

آصف مسکرا کر بولا

پانچ لے جاؤ

بات بنی نہیں

سوچ لو

میرے خیال میں تم رابعہ کو نیچے بھیج دو میں اپنی محنت کہیں اور

وصول کر لوں گا

نخر نے سیف کھول کر آٹھ ہزار روپے گن کر آصف کو دیئے اور

بولا اب تم جاؤ

آصف نے روپے گنے اور بولا اچھا نخر کبھی تمہاری بھی ماڈ

لیکن فخر کو کیا علم وہ تو ہر لمحے جل رہی تھی۔ ایک بچتا وہ دن رات اس سے چمٹا ہوا تھا کہ اس نے نکل کر سخت غلطی کی ہے۔

بہر حال فخر اس کی نظر میں ایک اچھا آدمی تھا.....

اس نے سراٹھا کر دیکھا سورج خاصا اوپر آچکا تھا۔ لیکن چنار کے بڑے بڑے پتے اس کی راہ میں حائل تھے۔ پھر بھی کہیں سے کوئی کرن جھانک کر عینم کے قطرے کا منہ چومتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ قطرہ موتی بن گیا ہے۔

اچانک ہی سر پھیر کر اس نے بیٹنگ کی طرف دیکھا۔

اس نے دیکھا وہی خوبصورت عورت شب خوابی کا لباس پہنے اس کی طرف

آ رہی ہے۔

آداب.....

اسے قریب دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

تمہیں اس طرف دیکھا تو چلی آئی۔ حالانکہ کئی دن سے سوچ رہی تھی کہ

تم سے ملوں.....

وہ عورت مسکرا کر بولی.....

میں بس آپ کو دیکھ کر رہ جاتی تھی۔

راہ مسکرائی.....

مصروفیت بہت زیادہ تھی نا.....

وہ عورت بڑی اپنائیت سے اس کے پاس ہی چبوترے پر بیٹھ گئی..... تم



چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اتر کر وہ بزلان میں اتر آئی۔ تلوؤں پر گھاس کی فم نے عجیب سی ٹھنڈک اور راحت دی اور وہ ذہن جو ابل رہا تھا اب تک جل رہا تھا۔ کچھ پر سکون ہوا۔

آج اس گھر میں آئے ہوئے پورے آٹھ دن ہو گئے تھے۔ ان آٹھ دنوں میں اس نے فخر اور ایک نوکر کے علاوہ ایک خوبصورت سی عورت دیکھی جو زیادہ تر برابر رہتی۔ پتہ نہیں کب آتی اور کب واپس چلی جاتی.....

اب تک اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ عورت فخر کی بیوی ہے یا بہن..... اس کے معصوم ذہن میں اب تک یہی بات آئی.....

فخر اس سے کئی بار ملا..... اچھی اچھی تسلی کی باتیں کرتا رہا۔

نوکر اس کے آرام کا خیال رکھتا.....

اور بس.....

فخر کا کہنا تھا کہ وہ ابھی کچھ دن اپنے ذہنی سکون کو بحال رکھے۔

خوش تو ہوتا

وہ رابعہ کے مرجھائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی

جی

میرا مطلب ہے یہ گھر تمہیں رہنے کے لئے پسند ہے نا

جی آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے۔

رابعہ آہستہ سے بولی

یہ میرا گھر نہیں ہے عورت نہیں، کہنے لگی، 'یہ لان، یہ درخت، یہ پودے اس گھر کی کوئی چیز میری نہیں۔ جیسے یہ سب کچھ تمہارے لئے اجنبی ہیں میرے لئے بھی اجنبی ہیں۔ مجھے تو اب تک یہ بھی پتہ نہیں کہ اس گھر میں کتنے کمرے ہیں۔ اس کی کھڑکیاں کس طرف کھلتی ہیں اور تازہ ہوا کے جھونکے کہاں سے آتے ہیں۔ وہ ہستی ہوئی کہہ رہی تھی۔

اور رابعہ اس کی بے ربط سی باتیں سن کر مزید پریشان ہو گئی۔

تم سوچتی ہو گی کہ یہاں کچھ بھی میرا نہیں تو پھر میں یہاں کیوں ہوں۔ رابعہ کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اس پر لگی تھیں۔

میرا نام عشرت ہے۔

اس نے سراٹھا کر نیم وانگا ہوں سے رابعہ کی طرف دیکھا

خادم اس طرف آ رہا تھا۔

وہ ہزاری سے اٹھ کھڑی ہوئی اور تھکے تھکے قدموں سے اندر کی طرف

ہوئی۔ اس کی چال صاف بتا رہی تھی کہ اس کے پاؤں اس کے ذہن کا بوجھ بالکل نہیں اٹھا رہے تھے۔

وہ تو چلی گئی

لیکن رابعہ کے لئے وہ الجھن چھوڑ گئی

وہ پریشان سی اپنے کمرے میں آئی اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

میں کہاں ہوں

میں کہاں ہوں

یا اللہ تو میری عزت رکھنا

ابھی وہ ان بھول بھلیوں میں پھنسی ہوئی تھی کہ وہ پھر آگئی۔ تم سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن فون آگیا۔

جی مگر

رابعہ نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ سراپا التجا ہو۔ چہرے کی چمک ماند ماند سی تھی اور آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔

عشرت نے آرام کرسی میں دھنس کر سگریٹ سلگایا اور اس کا کش لے کر بولی

تمہیں آئے تقریباً ہفتہ ہو گیا اور اس دوران میں روز ہی تم سے بات کرنا چاہتی رہی تھی مگر فجر نے موقع ہی نہ دیا آج وہ شہر نے باہر گیا ہے اس لئے بے فکر ہو کر تمہارے پاس آگئی ہوں۔

رابعہ اب بھی بے بسی سے اس کامنہ تکے جا رہی تھی۔

میں نے تمہیں بتایا تھا۔ میرا نام عشرت ہے اور میں فخر کی نام نہاد قسم کی سیکرٹری ہوں۔

مگر۔۔۔۔۔

رابعہ کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

میں پہلے فخر کی محبوبہ تھی۔۔۔۔۔ اس سے شادی کرنے کا خواب آنکھوں میں سجائے۔ ایک بہت بڑے خاندان کے بہت اونچی ناک والے باپ کا فخر منی میں ملا کر فخر کے ساتھ آگئی۔۔۔۔۔ اور اب یہاں صرف سیکرٹری ہوں۔۔۔۔۔

اوہ۔۔۔۔۔

رابعہ تڑپ اٹھی۔۔۔۔۔

عشرت کے گالوں پر حرارت کی ایک ایسی لہریں ابھری۔ پیشانی پر پل سا پڑا اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ البتہ ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

تمہیں یقیناً ترہنا چاہئے۔۔۔۔۔ میں بھی اسی طرح تڑپی تھی۔۔۔۔۔ میں نے بغاوت کی۔۔۔۔۔ جس کی سزا کے نشان اب تک میرے جسم پر موجود ہیں میں نے مرنا چاہا لیکن موت نے بھی مجھے پناہ نہ دی۔۔۔۔۔ اور پھر۔۔۔۔۔ اس اونچے ناک والے باپ کی بیٹی مر گئی اور آج جو عشرت تمہارے سامنے ہے وہ۔۔۔۔۔ بس حالات کی غلام ہے۔۔۔۔۔

اب میں فخر کے اشاروں پر ناچتی ہوں۔ لاش ہوں نا۔۔۔۔۔ میری اپنی کوئی خواہش نہیں۔۔۔۔۔ میرے پاس کوئی جذبہ نہیں۔۔۔۔۔ کوئی احساس نہیں۔

میں یہاں نہیں رہوں گی۔

رابعہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

جس آدمی کے جال میں تم آ پھنسی ہو۔ وہ تمہیں قبر سے بھی نکال لائے گا۔ تم اب کہیں نہیں جاسکو گی۔۔۔۔۔ میں اپنے گھر جاؤں گی۔۔۔۔۔

رابعہ رو کر بولی۔۔۔۔۔

کون سے گھر۔۔۔۔۔ جہاں سے تم بھی میری طرح باپ کی عزت پاؤں تلے روند کر آگئی ہو۔۔۔۔۔

میں ابائے پاؤں پر گر کر معافی مانگ لوں گی۔۔۔۔۔

رابعہ نے کہا۔۔۔۔۔

وہاں اب کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔

عشرت اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔

رابعہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔۔۔۔۔

تمہارے ابائے موٹر کے نیچے آکر جان دے دی ہے۔

عشرت آہستہ سے بولی۔

نہیں نہیں رابعہ جیتی۔

یہ جھوٹ ہے

یہ جھوٹ نہیں رابعہ آصف بے ابھی ابھی فون پر مجھے اطلاع دی ہے اور کہا ہے کہ تمہاری سوتیلی ماں اور نورہ تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔

رابعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا اور وہ گرنے کو تھی کہ عشرت نے اسے تمام لیا۔ اس کا سراپچی گود میں رکھ کر بڑے پیار سے بولی۔

بچے تمہارے صدمے کا اندازہ ہے رابعہ۔ مگر صبر کرو۔ میری بہن کہیں آنے جانے کا خیال ترک کر دو۔ یہاں رہ کر پھر محفوظ ہو یہاں سے باہر نکلی تو یہ سوچ لو کہ ساری دنیا بھوکے ہے لوگ تمہاری طرف جھپٹ پڑیں گے۔ میں جان دے دوں گی۔

رابعہ کی آنسو ابل ابل کر بہہ رہے تھے۔

مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ لیکن رابعہ انسان پر اے بس میں ہوتو کبھی کبھی اپنی خواہشات کا گھٹا اپنے ہاتھوں ہی سے مروڑنا پڑتا ہے میں تمہیں بہت اچھا مشورہ دوں گی۔ آنکھیں بند کر کے میرے ساتھ ساتھ رہو

عشرت اس کا سر گود میں رکھے ہوئے تسلیاں دیتی رہی اور اسے ابا کا چہرہ یاد آتا تو کیچے کیٹے لگتا۔

عشرت نے چند دن میں ہی اسے اپنے ساتھ مانوس کر لیا۔ فخر بھی مطمئن

تھا

عشرت رابعہ کے لئے نئے نئے کپڑے لے آئی۔ نت نئی چیزیں ان کا استعمال بالوں کے نئے انداز

کئی دن سے وہ عشرت کے ساتھ تھی مگر اب تک کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی کہ وہ چراغ پا ہوتی

آہستہ آہستہ اسے یہ ہنگامے۔ یہ رونقیں اچھی لگنے لگیں۔ ہلکے جامنی رنگ کی ساڑھی پہنے وہ عشرت کے ساتھ ایک ہوٹل میں کافی پی رہی تھی۔

عشرت کا ایک جاننے والا لال گیا۔ وہ بھی ان کے پاس آ بیٹھا

عشرت باتیں بہت لچھے دار کرتی تھی اس کی پاس ایک ہی فن تھا کہ وہ دوسرے کی شخصیت اس کے ماحول کا اندازہ ایک منٹ میں لگا لیتی اور پھر اس کی باتیں۔ آنکھوں میں ہلکا ہلکا نشہ۔ باتوں کا انداز ایک منٹ میں دو سروں کو اس کا گرویدہ بنا لیتا

اس وقت جو شخص ان کے قریب آکر بیٹھا تھا اس کا نام سلیم تھا

عشرت کا کہنا تھا کہ سلیم بھی باتیں خوبصورت کرتا ہے۔ اور اس کی یہ ہی

ادرا عشرت کو بھاگتی ہے

بات محبت پر چل نکلی۔

سلیم کہنے لگا

میں سمجھتا ہوں محبت ایک بخار ہے جو زندگی میں کئی بار چڑھتا اور اترتا ہے۔

اس لئے زندگی میں محبت کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

اور میں سمجھتی ہوں کہ محبت ایک آسمانی بجلی ہے جو اندھیرے بادلوں سے اترتی ہے اور دل کے آشیانے کو ہمیشہ کہ لئے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ یہ اس لئے محبت اس سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جتنی ہم اسے زندگی میں دیکھتے ہیں۔

عشرت نے سلیم کی ذلیل کا جواب قدرے غصے سے دیا۔

آپ کی سہیلی کی قوت گویائی تو ٹھیک ہے نا۔

سلیم رابعہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

قوت گویائی سے ان کی نظر زیادہ ٹھیک ہے۔

سلیم ہنس دیا۔ کتنے لگا۔

کافی بناؤں۔

میں بناتی ہوں۔

رابعہ نے پیالی اٹھا کر اپنی طرف رکھی۔

نانا نا۔ آپ کی انگلیوں کو بھاپ لگ گئی یا کافی کے چھٹنے آپ کی

ساڑھی کو داغ لگا گئے تو آپ جانتی ہیں۔ داغ کسی طرح کا ہو۔ رخسار کے تل کے سوا لڑکیوں کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔

عشرت مسکرا کر بیاہلے میں کافی چینی اور تھوڑا سا دودھ ملا کر پھینٹنے لگی۔

سلیم نے کپ میں پانی ملا دیا۔

آپ نے انعام ضرور حاصل کرنا تھا۔ اتنی اچھی کافی بنا رہی تھی۔

کافی بنانا لڑکیوں کے بس کی بات نہیں۔

تو کیا آپ شادی شدہ ہیں۔

عشرت بولی۔

نہیں تو۔

سلیم نے پیالیوں میں کھلم کھلا کر کھلا۔

تو کیا آپ بیوہ۔ میرا مطلب ہے رنڈوے ہیں۔

اوں ہوں۔

وہ رابعہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

پھر آپ کیا ہیں۔

میں کافی کا لباب بیاہلہ ہوں جس پر جھاگ کا ننھا سا سمندر بن گیا۔ ہے اور جو

دعوت دے رہا ہے کہ اپنے ہونٹ اس کے کناروں پر رکھ دیں۔

عشرت ہنس دی۔

کتنے گلی۔

میں نے سنا ہے آپ بیوہ ایجنٹ ہیں اور قائل میں اب ہوئی ہوں کہ آپ

کے ہاتھ آیا ہوا شکار آپ کی باتوں کے سنہرے جال سے کبھی نکل تو نہ سکا ہو گا۔

اگر شکار خود سنہرا ہو تو وہ جال کو بھی ساتھ لے بھاگتا ہے۔ ویسے میں بیوہ

ایجنٹ نہیں ہوں۔ سلیم ہنسا۔

ویسے میں حیران ہوں آپ کو اکثر نئی نئی دیکھتی ہوں اور
سوچتی ہوں کہ مادیت کے اس دور میں آپ نے محبت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے میں
نے غلط نہیں کہا سلیم بولا

اس کا ثبوت

ثبوت میں سینکڑوں مثالیں دے سکتا ہوں۔

لیکن آپ یوں نہ بیٹھئے۔ میں قدرت کے مقابلے میں بہت کمزور

واقع ہوا ہوں۔

وہ اس کے سینے کے کھلے بٹن کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ شاعری کیوں نہیں کرتے۔

عشرت نے گھبرا کر بٹن بند کر لیا

راجہ بھی ہنس دی

آپ کی سہیلی ہنستی بھی ہیں

سلیم بولا

راجہ اور عشرت دونوں ہی ہنس دیں۔

اور یوں

راجہ ایسے لوگوں کی مہربانی سے اپنی شرم اور ہنچھک بھول کر ان کی باتوں

میں حصہ لینا سیکھ گئی۔



فضا میں سسکیوں کی بازگشت تھی۔

وہ رو رہی تھی

شاید آخری بار

اس کے بعد شاید وہ رونا چاہے گی تو نہیں رو سکے گی، روح کی اذیت کو شہ

بھی کتنی کرناک ہوتی۔

دل کی دیواریں اندر ہی اندر منہدم ہو گئی تھیں اور دل و دماغ پچھتاوے کی

بھینک آگ میں جل رہے تھے، اسے کیا پتہ تھا کہ وہ جسے ہمدرد سمجھ رہی ہے وہ

ہمدرد نہیں ہے

رات عشرت اسے ہسلا پھسلا کر کلب لے گئی تھی وہاں فخر بھی

تھا

اور پھر فخر نے اور عشرت نے اسے ایک بہت بڑے سرکاری انفر کے

ساتھ بھیج دیا۔

وہ بستر پر گر کر زار و قطار رونے لگی.....

لبی لبی سسکیاں..... دلخراش چٹخیں بند کمرے کی دیوار سے دیوانہ وار
کراری تھیں، آنسوؤں کا نہ تھمنے والا سیلاب تھا اور بھیانک سناٹا۔

آج ایک طوفان ہی تو آیا تھا.....

اور اس کا وجود نرم و نازک پودے کی طرح سر جھکائے خستہ حال ہو چکا

تھا۔

نوکر دروازے پر دستک دے کر واپس چلا گیا۔

ساری رات وہ یونہی پڑی رہی.....

اور.....

پھر اسے انور یاد آگیا.....

صرف ایک بار آنکھوں آنکھوں میں اس نے ایک پیغام دیا تھا۔ پتہ نہیں

اس کے چہرے پر کیا تھا، اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔

مگر..... حالات اس وقت بھی میرے دشمن تھے۔

میں نورے سے بچ کر یہاں آئی تھی۔

مگر مجھے کیا پتہ تھا.....

یہاں بہت سارے نورے ہیں۔ کوئی سوٹ پنتا ہے اور کوئی پھٹے کپڑے،

مگر ذہنیت سب کی ایک جیسی ہے۔

سب نورے ہیں.....

وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلی گئی۔

اور جب فخر اسے واپس لینے آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی، جس

سرکاری افسر نے دستخط کر دیئے تھے۔

فخر خوشی سے اچھل پڑا.....

تم نے بہت بڑا کام کیا ہے رابعہ.....

اور وہ خاموش ضبط کی تصویر بنے اپنے کمرے میں چلی آئی.....

فائل فخر کے لئے خوشی کا باعث تھی۔

اور وہ وہاں سے ذہنی انتشار، روح کا کرب لے کر آئی تھی۔

ذہن بے خواب ٹوٹ گئے تھے۔

وہ خوبصورت تصور..... وہ چھوٹی سی پیاری سی دنیا طے کا ڈھیر بن چکی

تھی۔

انور.....

انور.....

انور.....

میں نے تمہارے خواب دیکھے تھے.....

تم کہاں ہو.....

میں لٹ گئی ہوں..... بک گئی ہوں..... کیا میں مر جاؤں..... کیا میں

خودکشی کر لوں۔

میرا کما بنتی رہے گی تو ساری زندگی عیش کرے گی، اور اگر میرے حکم سے انکار کیا تو اسے یہ بھی بتا دو کہ میں حکم منوانا جانتا ہوں۔

نہیں نہیں فخر ایسی بات نہیں تم جاؤ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔
عشرت نے فخر سے کہا اور وہ کھا جانے والی نظروں سے رابعہ کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

رابعہ اب تک خاموش بیٹھی تھی۔

غم کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی، وہ اپنے ہونٹ کانٹے چلی جا رہی تھی۔

رابعہ اٹھو منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھاپی لو کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔

عشرت اس کے سر پر پیار سے تھپکی دیتے ہوئے بولی۔

اور

موتی جیسے چمکتے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخسار پر بنے لگے۔

سمجھو نہ کرلو رابعہ

عشرت بولی

رابعہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور اس کی دردناک سی

سکیاں فضا میں بکھر نے لگیں۔

اپنی زندگی کے بکھرے اجالوں کو گلے لگا کر حالات کے اندھیروں کو ہمیشہ کے

رابعہ خاموش بیٹھی تھی

پانگل نہ بنو رابعہ دنیا بڑی حسین ہے یہاں رہ کر تم اپنا مستقبل بنا سکتی ہو زندگی انجوائے کرو مجھے دیکھو، میں نے اپنی زندگی بنالی ہے، میرے پاس بہت سارا روپیہ ہے اور کچھ عرصے بعد جب میرے

یہاں سے کسی دوسرے شہر جاؤں گی تو وہاں پر امیر ترین عورت ہوں گی جب چاہوں گی شادی کر لوں گی، لیکن میں شادی بیٹھاپے میں کروں گی

اس وقت تک لوگوں کو یہ قوف بنائوں گی

ایمان سے بڑا مزا آتا ہے

رابعہ نیم بے ہوش سی اس کی باتیں سن رہی تھی کہ فخر آگیا

رابعہ

فخر بھاری آواز میں بولا

رابعہ کچھ نہ بولی

اٹھو تیار ہو جاؤ تمہیں رات ایک پارٹی انیڈ کرنی ہے، وہاں پر نیوٹا

کا ایک تاجر آئے گا، اس سے مجھے یہاں کے لے ایجنسی لینا ہے، اور تم اسے راضی کرو گی۔

رابعہ خاموش رہی۔

عشرت یہ میری بات کا جواب نہیں دے رہی، تم اسے بتا دو،

فخر سے یہاں نہیں چلیں گے اور یہ بھی بتا دو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں

لئے ختم کر دو رابعہ

دینی رہی۔

نہیں نہیں یہ اندھیرے اب دور نہیں ہوں گے، یہ سائے تو اوپر
مگرے ہو جائیں گے۔ تاریکیاں اور بڑھ جائیں گی، ڈوب جانے دو مجھے ان

میں گر پڑی۔

..... میں

تم نادان ہو رابعہ میں بھی تم جیسی تھی میں نے بھی یونہی ماتم
کیا تھا مجھے لگتا تھا کہ میں یہ غم برداشت نہ کر سکوں گی مر جاؤں
گی مگر

مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں.....

رابعہ درمیان میں بول اٹھی.....

تمہارا شک بجا ہے مگر میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارا یہ رونا دھونا کسی پر کوئی اثر نہ کرے گا، تم یہاں سے نکل نہیں سکتی، تم مرنا چاہو تو مر بھی نہیں سکتی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان حالات کو اپنالو۔

رابعہ نے کئی ہوئی نظروں سے عشرت کی طرف دیکھا۔

جو سگریٹ سلگا رہی تھی۔ لمبا کٹ لے کر اس نے دھواں فضا میں پھیلا دیا،

اور بولی

اٹھو میری اچھی گڑیا.....

سپنے راکھ ہوتے گئے

جھوٹی اور بناؤنی محبتوں کے سائے تلے بجھے بجھے سسے سسے دل کے ساتھ وہ
لوگوں کا ساتھ دیتی رہی۔

زندگی میں کوئی تک نہ تھی کوئی دھنگ نہیں تھا۔

کہاں چلوں کہاں رکوں مرکز کونسا ہے اسٹیشن کدھر
ہے پلیٹ فارم کونسا ہے۔

اسے کچھ سمجھ نہ آتا

بس بے نیازی کی ایک تصویر بنی وہ چلی جا رہی تھی۔

فخر کو اس کی وجہ سے بہت بڑے بڑے فائدے ہوئے تھے 'یہ اسے بعد میں
پتہ چلا کہ عشرت فخر کے کاروبار میں برابر کی شریک تھی۔

یہ بھی پتہ چلا کہ آصف جو اسے بہن بنا کر لایا تھا 'اسی طرح گاؤں گاؤں 'شر
شر مختلف ناموں سے گھومتا ہے 'کیس مکان کرایہ پر لے لیتا ہے 'کیس بھائی بننا
ہے 'کیس محبوب اور کیس شوہر۔

اور زمانے کی ٹھکرائی ہوئی لڑکیاں اس کے ہاتھوں ہوتی ہوئی کوٹھے کی
زینت بن جاتی ہیں یا کیس ایسے ماڈرن کوٹھوں میں کھلونا بنی ہوئی اپنے آپ کو
بھول چکی ہیں۔

عشرت کا کہنا تھا کہ رابعہ خوش نصیب ہے کہ یہاں پہنچ گئی یہاں
اس کی پھر عزت ہوتی ہے اگر وہ کوٹھے پر چلی جاتی تو جانے آج کیا حالت



اور پھر رابعہ

وہ جگمگ کرتی ہوئی راتوں 'جھمکلاتی ہوئی روشنیوں اور مدھم مدھم
تاریکیوں میں کھو گئی۔

شورو غل 'جیخ و پکار 'ہنگامے طرح طرح کے لوگ 'نئے نئے پلان۔

کبھی فخر کسی سینما پلاٹ کے لئے اسے کہیں مجبوا تا 'کبھی افسروں کو خوش
کرنے کے لئے۔

رنگ و نور میں بد تمیزیوں کا طوفان اٹھتا

اور وہ

اس بھیانگ آگ 'باند ہوتے ہوئے شعلوں میں اپنے سپنوں کو دفن کرتی
ہوئی جل رہی تھی۔

اکثر وہ ہاتھ پر بنی ہوئی لکیروں کو کمر چتی رہتی۔

آوازوں کا دھواں پھیلتا گیا

ہوتی۔

مگر اس نے یہ اب سوچا تھا
 کہ کوٹھے اور کوٹھیوں میں کوئی فرق نہیں، بلکہ اس کی نظر میں دوکان سجا کر بیٹھنا ان کوٹھیوں میں روپ بدل کر دھوکا دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

اب تو احساس مرہ کا تھا کہ وہ رابعہ ہے وہ اپنے ابا کی رابعہ ہے۔
 اس نے اپنا نام بدل دیا تھا
 اس نے اپنا نام
 کئی رکھ لیا تھا
 فخر آج کل بہت خوش تھا۔ اس کی کوٹھی بن رہی تھی اور ایک میمن سیٹھ نے اسے رابعہ کی کمپنی کی بدولت نئے ماڈل کی کار بھی لے کر دی تھی۔
 یہ کار زیادہ تر سسگل شراب لانے کا کام ہی کیا کرتی۔
 فخر روزی بڑے لوگوں کو بلا کر دعوتیں کرتا
 ان دعوتوں میں شراب بھی چلتی، رابعہ، عشرت کے علاوہ بہت سارے لوگوں کی محبوبائیں، بیویاں، بیٹیاں اور بہنیں بھی شرکت کرتیں۔
 رات رات تک جوا کھیل جاتا رقص و سرور کی محفلیں جتیں۔
 یہ لوگ رات کو بڑے اور بجل ہو جاتے تھے۔
 صبح کے وقت یہی لوگ بڑے بڑے افسر تھے، کوئی آئی جی کوئی کمشنر کوئی منسٹر اور کوئی انصاف کرنے والا جج
 فخر پہلے پہل صرف کلرک تھا، لیکن نوکری چھوڑ کر اب برنس میں بن گیا تھا
 ویسے بھی ان محفلوں میں جب یہ لوگ اکٹھے ہوتے تو واقعی محمود و ایاز بن جاتے۔
 اس وقت یہ تمیز نہیں رہتی کہ میں افسر ہوں اور تم ماتحت سب زندگی کا انجوائے کرتے۔
 وہ اس زندگی سے عاجز آچکی تھی تھک گئی تھی۔ اس طوفان میں اسے چکر آنے لگے تو اس نے بغاوت کر دی
 اس نے فخر سے صاف کہہ دیا اب یہ سب نہیں ہو سکتا اس سے
 عشرت نے سمجھانے کی کوشش کی
 لیکن رابعہ نے عشرت کو وہ سنائی کہ وہ بھنا گئی۔
 اب عشرت کی چالپوسی کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔
 اور تب عشرت نے فخر کو مشورہ دیا کہ رابعہ خطرناک ہو گئی ہے اس لئے اس کے دام کہیں اور سے وصول کر لو۔
 اور پھر
 فخر نے اسے زینت بائی کے ہاں بیچ دیا
 زینت بائی نے اس کا نام نیلم بائی رکھا اور اسے گلے کی تعلیم دلوانے

کی کی

راہِ جبِ نلیم بائی بنی تو جو کچھ پیچھے چھوڑ آئی تھی اس سے یہ دنیا اسے
قدرے بہتر لگی۔

یہاں زینت بائی نے اسے پیار دیا یہاں اس کی حکومت تھی۔ وہ
اپنی مرضی سے جہاں چاہتی جاتی چہرہ ہاتھی کرتی یہاں بھی دھوکا فریبِ مہنا ضرور
تھا۔ مکر لوٹ کھسوٹ نہیں تھی یہاں ایک چہرہ تھا اور وہاں ایک چہرے پر
بہت سارے چہرے لگے تھے۔
وہ یہاں مطمئن تھی کی



فخر کی کئی بار اس سے ملاقات ہوئی
وہ نلیم بائی تھی کی

اور فخر سرِ سایہ دار امیر آدمی کی

کئی بار اس کے کوٹھے پر گانا سننے آیا کی

اسے یاد تھا جب پہلی بار وہ اس کے کوٹھے پر گیا۔ تو وہ اس سے خفا نہیں

تھی کی

اس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا تھا کی

اسے یاد تھا کی

اس روز اس نے پی رکھی تھی اس کے ساتھ دو دوست بھی تھے۔

گانا وانا بھی آتا ہے یا نہیں کی

فخر مسکرا کر بولا کی

تمہارے ہاتھوں سے اٹھا ہوا انسان پارس بن جاتا ہے۔

نیلیم ہنس کر بولی
 تو یہ میرا احسان ہوا نا وہ بہکا ہوا تھا۔
 یہ احسان کسی اور پر نہ کرنا
 نیلیم بائی ہنسی
 تم کو اس سے غرض
 نثر نے تھقہ لگایا
 کوئی نیک کام بھی کر لو
 آخر عمر میں یہی ارادے ہیں میرے۔
 فخر سرخ آنکھوں کو بمشکل کھول کر بولا
 کیا حال ہے تمہاری رازدار کا
 نیلیم نے پوچھا
 وہ یہ شہر چھوڑ گئی۔ سنا ہے اس نے وہاں نئے انداز اپنا لئے ہیں
 تم لوگوں کے روپ نرا لے۔
 نیلیم نے تان پورہ سنبھال لیا
 سناؤ کیا سیکھا ہے تم نے
 فخر بولا
 ہو سکتے تھے تمہارے اسکول سے سیکھ چکی اور بھول بھی گئی۔
 یہاں تو بازار ہے اور میں نے اپنے ماتھے پر طوائف کا لیل لگا لیا

ہے اس سے کم از کم اتنا سکون ضرور ہے کہ میں چل کر کسی کے پاس نہیں جاتی۔
 رشوت کا لین دین نہیں کرتی کوئی زیادہ ہوس بھی نہیں ہے مجھے جو مل جاتا
 ہے گزر کے لئے کافی ہے۔ اس لئے دھوکے، فریب سے دور ہوں۔
 اور مطمئن ہوں
 کیوں نہیں فخر ہنسا کہنے لگا
 طوائف بن گئی ہو اور ہوس سے دور ہو
 تم نے ہی بتایا ہے مگر میں ناراض نہیں ہوں۔
 تم نے بہت اچھا کیا تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بننا میرے لئے بہت
 تکلیف دہ تھا
 تو اس احسان کے بدلے کچھ سناؤ
 فخر بولا
 نیلیم بائی ہنسی اور استادوں کو اشارہ کیا اور گانے لگی
 اس کی خوبصورت آواز سازوں کے امتزاج سے مل کر اور دلکش ہو گئی۔
 فخر اور دوسرے لوگ جھوم جھوم گئے۔
 خوب خوب یہ جو ہر تو آج ہی کھلا ہے مجھ پر
 فخر بولا
 آپ کی نوازش
 نیلیم بولی

آج کل بھی تمہارے وہی کام ہیں؟
کیوں؟

فخر ایک بات مانو گے؟

نیلیم کی آنکھیں بھر آئیں کہنے لگی؟

اب بس کرو فخر تم تم بہت دولت مند بن گئے ہو۔ اب کسی
اور راجہ کو نیلیم باقی نہ بناتا وہ روپڑی اور فخر چستے ہوئے باہر نکل گیا۔

کچھ اور ہو جائے؟

نیلیم نے ایک دو اور غزلیں سنائیں؟

فخر تڑپ تڑپ گیا؟

رات گئے تک وہیں بیٹھا رہا؟

جاتے وقت اس نے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور بولا۔

حقیر سا نذرانہ؟

اپنے پاس رکھئے آپ کا ہی دیا کھاتی ہوں۔ نیلیم ہنسی؟

کیوں تکلف کرتی ہو؟

آپ تو مائی باپ ہیں ہمارے حضور نیلیم قہقہہ لگا کر بولی؟

فخر نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا اور بولا؟

طنز بہت خوبصورت کرتی ہو؟

یہ رقم لے جائیے آپ کے کام آئے گی؟

نیلیم نے روپے واپس کر دیئے؟

اچھا تمہاری مرضی وہ جانے کے لئے مڑا؟

سنو نیلیم نے پکارا؟

کیا ہے؟

ایک بات تو بتاتے جاؤ؟

کو؟



پھر وہ ایکٹرس بن گئی
 فخر تب بھی اس سے ملا
 بہت اونچی اڑنے لگی ہو
 نیلم بائی جو اب میڈم نوری تھی ہنس دی
 کہنے لگی
 میری اڑان تم سے اونچی نہیں ہو سکتی
 میں نے تو وہ کام چھوڑ دیئے
 فخر بولا
 اچھا
 ہاں
 اب کیا کرتے ہو
 اب نماز پڑھتا ہوں حج کر کے آیا ہوں اور رفاہی کام کرتا ہوں

واہ
 میڈم نوری کو یقین نہ آیا
 معاشرے میں میرا مقام بہت اچھا ہے۔ لوگ میری بے انتہا عزت کرتے
 ہیں میں بہت اچھا آدمی ہوں۔
 واہ واہ سبحان اللہ
 میڈم بولی
 حیرت ہے تمہیں پتہ ہی نہیں میں تو بہت مشہور آدمی ہوں۔
 خان بہادر فخر الزماں
 میرے لئے تو تم ہمیشہ سے ہی شہرت یافتہ ہو۔ جانتی ہوں نا تمہیں
 میڈم نے کہا
 وہ باتیں بھول جاؤ اب کسی کے سامنے میرا نام لو تمہیں
 خوشی ہوگی کہ لوگ میرا نام کس قدر احترام سے لیتے ہیں۔ لوگوں میں بہت مقبول
 ہوں
 فخر خوشی سے بولا
 اس لئے تو میں تمہاری قدر کرتی ہوں کہ تم سیلف میڈ آدمی ہو۔
 یہ تمہیں یہ سب کچھ ورثے میں نہیں ملا خود بنایا ہے تم نے
 فخر اس کی بات نظر انداز کر گیا کہنے لگا
 سرکاری درباری قسم کا ہو گیا ہوں میں۔ حکومت بھی میری عزت کرتی

ہے۔ جس محکمے میں چلا جاؤں کام فوراً ہو جاتا ہے ۔۔۔۔

اچھا اب سمجھی ۔۔۔۔

میڈم مسکرا کر بولی ۔۔۔۔

کیا ۔۔۔۔ ؟

یہی کہ آج کل نمازیں ہتھیار ہیں تمہارا ۔۔۔۔

کیا مطلب ۔۔۔۔

فخر گھبرا گیا ۔۔۔۔

ہر چیز کا ایک وقت ہوا کرتا ہے ۔۔۔۔

زمانے کے رخ ہیں ۔۔۔۔ کبھی پار سا بننے سے کام ہو جاتے ہیں اور کبھی ہم

جیسے لوگوں کے طفیل ۔۔۔۔

نہیں نہیں ایسی بات نہیں ۔۔۔۔

پھر کیا بات ہے ۔۔۔۔

بھئی تم سے کیا پردہ ۔۔۔۔ آج کل وزارت کے چکر میں ہوں ۔۔۔۔

یہاں کیسے آئے ہو ۔۔۔۔

میڈم نے پوچھا ۔۔۔۔

قلم والوں کے مسائل حکومت تک پہنچانے ۔۔۔۔

میں چاہتا ہوں تم سب کا بھی معاشرے میں کوئی اچھا مقام ہو ۔۔۔۔ دیکھو نا

قلم والے تو معاشرے سے کٹ کر رہ گئے ہیں ۔۔۔۔ حالانکہ یہ آرٹ کی دنیا ہے۔

ثقافتی ورثہ ہے ۔۔۔۔ لیکن معاشرہ قلم والوں کو وہ مقام نہیں دیتا جو ان کو ملنا

چاہئے ۔۔۔۔

ٹھیک ٹھیک ۔۔۔۔

میڈم فخر کی بات کو غور سے سنتے ہوئے بولی ۔۔۔۔

ہے نا اچھی بات ۔۔۔۔ میں قلم والوں کو ان کا صحیح مقام دلوں گا ۔۔۔۔

میں عوام کا نمائندہ بن کر سب کے لئے کام کروں گا ۔۔۔۔

سچ کہہ رہے ہو ۔۔۔۔

بالکل سچ ۔۔۔۔

تم آج تقریر کرو گے ۔۔۔۔

ہاں ۔۔۔۔

ایک بات میری طرف سے لکھ لو ۔۔۔۔ بڑا اچھا پوائنٹ ہے۔

ہاں ہاں ضرور بتاؤ ۔۔۔۔

ہم لوگوں کو عزت کا مقام دیا جائے یہ بات تو تمہاری تقریر میں ہے نا ۔۔۔۔

ہاں ہاں میرا موضوع یہی ہے ۔۔۔۔

ذرا اس بات پر بھی زور دینا ۔۔۔۔ کہ ہمیں مل کر ایسے لوگوں کا محاسبہ بھی

کرنا چاہئے ۔۔۔۔ جو زبردستی لڑکیوں کو اغواء کر کے یہاں پر لا کر ان سے اپنا

کاروبار چمکاتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے عبرتناک سزائیں ہونا چاہئیں۔ ٹھیک ہے

نا ۔۔۔۔

ہاں ہاں بالکل

فخر کی آواز مدھم مدھم سی ہو گئی

یہ تم کو گئے نا

کہہ دوں گا

اور اگر اس جلسے میں، میں تمہیں پکڑ کر سزا کی ابتداء بھی تم ہی سے کروں تو

کیا رہے گا

میڈم ہنس کر بولی

مذاق نہ کرو

فخر کھیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا

تو بھاگ جاؤ یہاں سے۔ میں ایسا ضرور کروں گی۔ میں تم جیسے لوگوں کو بے

نقاب کر کے شاید گناہ بخشا لوں چلے جاؤ یہاں سے پھر کبھی نیکی کا لبادہ اوڑھ

کر میرے سامنے نہ آنا

تمہارا سیاہ چہرہ میں کبھی نہیں بھول سکتی سمجھے

تم یہاں اب کسی کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔

میڈم غصے سے چیخ رہی تھی

اور فخر خوف زدہ ہو کر وہاں سے چلا آیا

جلسے میں بڑی دھوم مچی کہ مہمان خصوصی جانے کس وجہ سے

بھاگ گیا

اس دن کی باتیں

وہ غضب ناک چہرہ فخر کو آج تک یاد تھا

پھر اس بات کو بھی چار سال گزر گئے

فخر بھول گیا

کیونکہ میڈم کی مارکیٹ ویلیو ایک دم ٹاپ پر چلی گئی۔

اور پھر آہستہ آہستہ کھنتی گئی

پھر وہ بیمار ہو گئی

اسپتال پہنچ گئی اور اب یہ سوانح حیات۔

ایسے نازک موقع پر فخر بوکھلا گیا

پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔

کچھ دن بعد اس کی بیٹی کی شادی بہت بڑے خاندان کے لڑکے سے ہونے

والی تھی۔

اپنے لڑکے کو اس نے پائلٹ افسر بنا دیا تھا۔

وہ خود اس وقت بہت ہی قابل قدر اور محترم سی ہستی بنا ہوا تھا۔

پھر اب اب کیا ہو گا

ساری عزت خاک میں مل جائے گی

بیٹی کی شادی رک جائے گی

بیٹا تو شاید باپ کی صورت بھی نہ دیکھے گا۔

اور یہ لوگ

جو اسے اپنا نمائندہ چننا چاہتے ہیں۔

اور کیا خبر پولیس بھی اس کیس میں اسے دھر لے اندیشے

وسوسے، پریشانیاں۔

وہ ادھر ادھر ٹہل رہا تھا



عشرت کی زندگی میں سب کچھ تھا

وہ سب کچھ جس کی جمننا ہر عورت کا دل تڑپاتی ہے۔ جس کے خواب وہ

بچپن سے اپنی پلکوں پر سجانے لگتی ہے خواب جو صحرا میں نخلستان کی طرح ٹھنڈک
اور سکون پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

تفنگی میں لبریز جام کی طرح حسین۔

اور یہ ہی خواب اس کے لئے حقیقت میں ڈھل گئے تھے۔ کتنی خوش

نصیب تھی وہ

سلیم نے اسے بھرپور پیار دیا تھا اور شوہر کا پیار ہی تو عورت کے لئے سب
کچھ ہوتا ہے۔

ان کا وہ خوبصورت دو منزلہ وسیع بنگلہ۔ دو نئی جگمگاتی کاریں، بے شمار

دولت جسے وہ بے دردی سے خرچ کرتی۔

اس کے شوہر نے اسے کبھی نہیں ٹوکا۔ زندگی کی تلخیاں کبھی محسوس نہ

ہونے دیں ۔۔۔۔۔

دونوں بچے شمر کے بہت بڑے کالجوں میں زیر تعلیم تھے۔ اس کی بیٹی نصرہ بہت پیاری تھی۔

اور اس نے اس کی معنئی بھی ایک کیشن سے کر دی تھی۔ وہ سلیم کے ساتھ بے شمار پارٹیوں میں شرکت کرتی۔ دعوتوں، جلسوں، کلبوں کی شاموں کے بعد بہت کم وقت ملتا کہ وہ کچھ پڑھ سکے۔

سلیم بہت اچھا تھا ۔۔۔۔۔ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔

لیکن ۔۔۔۔۔

وہ عشرت کا کسی سے میل جول پسند نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ اپنے ساتھ پارٹیوں میں لے کر جاتا۔

سلیم اپنی بیٹی کے لئے بھی اتنا ہی پابند تھا چونکہ اچھے حسب و نسب کا مالک تھا اس لئے اس نے بیٹی کا رشتہ کرتے ہوئے بہت چھان بین کی۔

لڑکے کی ماں کون سے خاندان سے ہے لڑکے کا باپ کیا کرتا ہے۔

لڑکے کے رشتے دار اچھے لوگ ہیں۔

غرضیکہ بہت باریکی اور دور بینی اس کی فطرت میں شامل تھی ۔۔۔۔۔ لیکن عشرت مطمئن تھی۔

وہ بھی سلیم سے بے انتہا محبت کرتی تھی ۔۔۔۔۔

زندگی گزرتی جا رہی تھی۔ سلیم جیسے شوہر کو پا کر اسے اپنی تقدیر پر بڑا ناز تھا

کہ اچانک ۔۔۔۔۔

میڈم نوری کی سوانح حیات اس کے سکون میں طوفان لے آئی اور وہ اندر ہی اندر پریشان ہو گئی ۔۔۔۔۔

اگر میڈم نوری نے اسے بھی دھریا تو کیا ہو گا ۔۔۔۔۔

اس کی یہ خوبصورت زندگی اجڑ جائے گی ۔۔۔۔۔

دیوار اپنی قالین، قیمتی بیڈ پر گداز سے بستر پر لیٹی وہ سوچے جا رہی تھی۔

ایک کسک دل کو اداس بنا رہی تھی ۔۔۔۔۔

میرا ماضی ۔۔۔۔۔

ماضی کے اندھیرے اور حال کی یہ روشنی۔

سلیم کو مجھ سے کھن آئے گی ۔۔۔۔۔

وہ مجھے چھوڑ دے گا ۔۔۔۔۔ میرے بچے مجھ سے چھین لے گا۔ اگر اسے پتہ

چلا کہ میں کون ہوں ۔۔۔۔۔

اسے تو پتہ تھا ۔۔۔۔۔

کہ میرے والدین نیروبی میں ہیں اور میں نواب کی بیٹی ہوں۔ اسے یاد آیا۔

جب سلیم کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک شخص کو کرایہ دے کر اپنا

باپ ظاہر کیا تھا ۔۔۔۔۔

اور پھر وہ کرائے کا باپ عشرت کی شادی کر کے نیروبی واپس چلا گیا۔ اس

دن کے بعد اس نے اپنا حلیہ بدل لیا ۔۔۔۔۔ وہ بہت کم گھر سے باہر نکلتی۔

عزت کی زندگی کے لئے اس نے اپنے آپ کو بالکل بدل ڈالا۔

سگریٹ چھوڑ دیئے شراب کو چھوڑ کر وہ بیمار پڑ گئی
لیکن اس نے اپنی زندگی بنائی
مگر اب
عشرت کو یاد آیا
ایک روز وہ کسی جگہ پھنک کرنے گئے تھے۔ وہاں پر کسی قلم کی آؤٹ ڈور
شوٹنگ تھی
بچوں اور سلیم نے میڈم نوری کو دیکھ کر اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔
لیکن وہ برابر ٹالتی رہی۔
سلیم زبردستی پکڑ کے نوری کے سامنے آ گیا
نوری نے عشرت کو پہچان لیا
عشرت نظریں چرا رہی تھی
کیسی ہو عشرت
نوری مسکرا کر اس کے قریب آئی۔
اچھی ہوں یہ میرے شوہر ہیں وہ دونوں میرے بچے۔
عشرت ڈری ڈری سی بولی
اچھا شادی کر لی تم نے
نوری نے سلیم کی طرف دیکھا
ہاں
عشرت بری طرح گھبرا رہی تھی
تومرے میں ہو آج کل
عشرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی
لیکن نوری کو اس کی گھبراہٹ میں لطف آ رہا تھا
شریف بن کر انسان کتنا بزدل ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ سوچ کر وہ مسکرا رہی
تھی۔
تم انہیں کیسے جانتی ہو۔
سلیم نے عشرت سے پوچھ ہی لیا۔
بت پرانا ساتھ ہے ان کا اور میرا
نوری ہنس کر بولی
تم وہ باتیں ابھی تک نہیں بھولیں
عشرت نے بات بنائی چاہی
بھول گئی تھیں تمہیں دیکھ کر یاد آ گئیں۔
تم انہیں کیسے جانتی ہو۔
سلیم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
یہ میری استاد ہیں جی میں ان کی شاگرد
نوری ہنس کر بولی

ہاں
عشرت بری طرح گھبرا رہی تھی
تومرے میں ہو آج کل
عشرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی
لیکن نوری کو اس کی گھبراہٹ میں لطف آ رہا تھا
شریف بن کر انسان کتنا بزدل ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ سوچ کر وہ مسکرا رہی
تھی۔
تم انہیں کیسے جانتی ہو۔
سلیم نے عشرت سے پوچھ ہی لیا۔
بت پرانا ساتھ ہے ان کا اور میرا
نوری ہنس کر بولی
تم وہ باتیں ابھی تک نہیں بھولیں
عشرت نے بات بنائی چاہی
بھول گئی تھیں تمہیں دیکھ کر یاد آ گئیں۔
تم انہیں کیسے جانتی ہو۔
سلیم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
یہ میری استاد ہیں جی میں ان کی شاگرد
نوری ہنس کر بولی

کیا مطلب

سلیم کی برداشت جواب دہی جارہی تھی۔

آپ کیوں پریشان ہو گئے۔ عشرت بوکھلا کر بولی۔

یہ نیروی میں میرے ساتھ اسکول میں پڑھتی تھی یہ وہاں بھی بڑی شرارتی قسم کی لڑکی تھی۔ بہت ہنس کھ ہے۔ شوخی نہ مہی اس کی طبیعت

سے

نوری ہنسے جارہی تھی

اور عشرت اوٹ پانگ سی باتیں۔

پردہ رہ گیا

کہ نوری کو شات دینے کے لئے ڈائریکٹر نے بلایا ورنہ عشرت کا

اس نے خون نچوڑ لیا تھا۔

جاتے ہوئے کہنے لگی۔

پھر کبھی سہی میں تمہارے شوہر کو اچھی طرح بتاؤں گی کہ ہماری

استادی شاگردی کیسی تھی برا مزہ آئے گا۔

عشرت ہنس کر بولی

ہاں ہاں پھر ملیں گے کبھی خدا حافظ۔

نوری چلی گئی تو سلیم کا موداب تک خراب تھا

یہ تمہارے ساتھ کیسے پڑھتی تھی۔

اس نے پوچھا

یہ ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے سلیم۔ وہاں پر اس کی میری دوستی ہو گئی۔

بے چاری بڑی مظلوم ہے۔

پتہ نہیں ایکٹریس کیسے بن گئی۔

عشرت نے بات بتالی

سلیم کو تو اس نے مطمئن کر دیا لیکن خود ہمیشہ کی بے چینی میں پڑ

گئی

اکثر اسے خیال آتا مگر اب تو کافی عرصہ گزر گیا تھا

لیکن یہ سوانح حیات

یہ اگر سلیم نے پڑھ لی تو قیامت آجائے گی۔

لیٹی کیوں ہو عشرت

سلیم اس کے قریب ہی آکر بیٹھ گیا۔

کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی

عشرت اٹھ کر بیٹھ گئی

بھئی ڈاکٹر کو بلوا لو میں اپنی پیاری بیگم کو اس روپ میں نہیں دیکھ

سکتا

سلیم ہنس کر بولا

عشرت بھی ہنس دی۔

تم نے اخبار دیکھا.....

سلیم بولا.....

ہاں..... کیوں.....

عشرت چونک گئی.....

وہ میڈم نوری سوانح حیات لکھ رہی ہے۔

ہاں ہاں.....

عشرت کی آواز حلق میں گھٹ سی گئی۔

مجھے بڑا انتظار ہے..... پتہ نہیں کب چھپے گی.....

دیکھنا یہ ہے کہ وہ نیو بی میں پڑھنے کا ذکر کرتی ہے یا نہیں.....

سلیم کی بات نے عشرت کی جان نکال لی۔

کہنے لگی.....

کیا پتہ.....

سلیم کا فون آگیا.....

اور عشرت سوچنے لگی.....

اسے میڈم نوری سے مل کر اپنی خوشیوں کی بھیک مانگنی چاہئے۔

کیا پتہ اسے ترس آجائے یا پھر وہ سوانح حیات اس سے چھین لینی چاہئے۔

وہ طرح طرح کی سیکمیں سوچ رہی تھی۔



دور گھروں کی چینیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

رات کی روشنیاں خاموش خاموش اور کھوئی کھوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ کہیں کہیں کسی کچے گھر سے میلی سی روشنی باہر آرہی تھی۔ رواں دواں سڑک بھی چپ چاپ تھی۔

دور آسمان پر بجے بجے سے بادل تیرتے تیرتے رک گئے تھے۔ ہر چیز کی رکی سی تھی.....

انور چائے کی ایک چھوٹی سی دوکان پر بیٹھا رسالے الٹ پلٹ کر رہا تھا اس کے گاؤں میں چائے کی یہ واحد دوکان اس کی ساتھی تھی۔

اردو کے گئے پنے رسالے تھے جو چند ایکٹرسوں کی تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔

ان کے روکھے پھیکے چہرے، چمکیلی ساڑھیاں، تنگ اور ننگے بلاؤز۔

ایک دو سیاسی رسالے بھی تھے جن میں چند بڑے کھوسٹ لیڈروں کے

چہرے تھے۔ ان کی ہزار بار دہرائی ہوئی باتیں جھوٹے دلا سے اور بے سربا
تقدیریں۔

اس نے رسالے پرے کر دیئے۔

سردوئوں ہاتھوں سے پکڑے وہ سوچ رہا تھا۔

اب کیا کروں.....

وقت کتنا قلیل رہ گیا ہے.....

اور فاصلہ بہت زیادہ.....

کیسے پہنچوں گا اس تک.....

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھٹا ہوا ایک روپے کا نوٹ اس کی جیب کے

ساتھ چپکا ہوا تھا.....

یہ ایک روپیہ.....

اور اتنا دور کا سفر.....

اچانک ہی اسے خیال آیا..... کیوں نا وقت گزارنے کے لئے وہ ایک دو

کہانیاں لکھ دے۔ کہانیاں چھپ جائیں گی یا نہیں وہ ان کے جتنے بھی پیسے لے

لے لے گا اور رابعہ کے پاس پہنچ جائے گا۔

جب تک صبح ہوگی وہ دو تین افسانے لکھ سکتا ہے۔ اس نے دو کاغذ ارے

کاغذ لئے اور لکھنے لگا۔ وہ لکھتا چلا گیا۔

مگر جب چونکا..... تو دیکھا..... وہ کیا لکھ گیا ہے۔

رابعہ کی باتیں..... جو اس نے آج تک نہیں لکھیں۔

یہ قلم..... اسے علم ہے کہ میں رابعہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھتا

چاہتا۔

مگر آج..... اس کی سخت اور تیز نب کو میرے دل کے احساسات

چھپائے مشکل ہو گئے ہیں۔

اور وہ بے جان قلم اس کی انگلیوں کے درمیان کاغذ کے بے جان سینے پر

زندگی کے بیج بوتا چلا گیا۔

”نہ میں نے تم تک پہنچنے کے لئے کوئی جتن کیا نہ تمہیں مجھ تک آنے کے

لئے کسی طویل راہ سے گزرنا پڑا۔“

بس مختصر سی بات ہے.....

میں بھوکا تھا.....

گاؤں میں میری ماں اور چار بہنیں تھیں۔ اس ماں کا میں اکلوتا بیٹا اور ان

چار بہنوں کا اکیلا بھائی۔

میں نے ہی ان کے لئے سب کچھ کرنا تھا.....

وہ سب ہی بھوکیں تھیں۔

میں بھی بھوک سے نڈھال۔ تلاش معاش میں در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا

تھا.....

اس دھرتی پر سزا کر رہا تھا..... ننگے پیر کبھی تپتی ہوئی، جلتی ہوئی زمین کے

کے سینے پر، کبھی پتھریلے سنگلاخ راستوں پر اور کبھی بے رحم کول تار کی سڑکوں پر پر مگر اس بھوک پیاس اور معاشی جدوجہد کے سفر میں اکیلا نہیں تھا۔ میرے ساتھ بہت سارے لوگ تھے۔ بہت سے انسان ان کے دل اور ان کے جذبات اور ان کے مسائل ان کی بیماریاں، ان کے دل، ان کے جذبات اور ان کے بھوک

بھوک جو کئی قسم کی ہوتی ہے۔

پیٹ کی بھوک

انسان کو بل چلانے پر اور پتھر ڈھونے پر مجبور کرتی ہے۔

اقتدار کی بھوک

قوموں میں غدار پیدا کرتی ہے

دولت کی بھوک

بد دیانت، رشوت خور اور سمگلر پیدا کرتی ہے۔ انسان کو انسان کا دشمن

بناتی ہے۔ بھائی سے بھائی کا گلا کٹواتی ہے یہ حق تلفیوں کا سبق دیتی ہے۔

اور ایک بھوک ایسی بھی ہے۔

جس نے معاشرے میں باقاعدہ ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا ہے جو شرافت اور

انسانیت کے لئے ناسور بن گیا ہے۔ لیکن میں صرف ان پیٹ کے بھوکے لوگوں کے ساتھ تھا۔

ہمارے ساتھ ہماری پوشیدہ خواہشیں تھیں۔ خواب تھے اور خواب یونہی

پورے نہیں ہوتے۔ اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ عمل کی کٹھن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہیں بنتا۔

کسان بل چلاتا ہے، اناج اگاتا ہے تو ہزاروں خالی پیٹ اسے سمیٹ لیتے ہیں۔

اسی طرح سفر کرتا میں ایک دن تمہارے شہر پہنچ گیا۔ تمہارے شہر میں سب سے ہمدرد آدمی تمہارا باپ ملا۔

آنکھوں پر چشمہ لگائے۔ دبلا پتلا سا آدمی

جس کا نام اقبال تھا

اقبال صاحب کی کمران کے گھریلو حالات کی وجہ سے جھک گئی تھی

وہ ایک مقامی روزنامے میں خوش نویس تھے۔

اقبال صاحب مجھے بھی ایڈیٹر کے پاس لے گئے۔

میری قسمت اچھی تھی۔ مجھے فچر رائٹر کے طور پر قبول کر لیا گیا۔

میں اخبار کے لئے لکھنے لگا میرے پاس رہنے کی جگہ نہیں

تھی

اقبال صاحب چند دن کے لئے مجھے اپنے گھر لے آئے۔

جہاں تم تھیں

تم سے پہلی ملاقات کا حال مجھے اب تک یاد ہے۔

مجھے یاد ہے

اقبال صاحب مجھے لے کر گھر پہنچے۔

تو تم صحن میں ایک طرف بیٹھی برتن مانجھ رہی تھیں۔

تمہارے خوبصورت ہاتھ راکھ سے اٹے ہوئے تھے۔

مجھے دیکھ کر تم نے پیٹھ موڑ لی.....

راہو بیٹی انور صاحب میرے بیٹے کی طرح ہیں اب یہ اسی گھر میں رہیں

گے۔ ان کے لئے اوپر والا کمرہ خالی کر دو۔

تمہاری امی کہاں ہیں۔

اقبال صاحب نے بہت سارے سوال ایک دم پوچھ لئے۔

ابا وہ بچوں کو ساتھ لے کر خالہ زینت کے ہاں میلاد پر گئیں ہیں۔

راہو نے ہاتھ دھو کر میلے دوپٹے سے صاف کئے۔

تو بیٹی جلدی سے روٹیاں ڈال لو۔ سالن تو پکا ہی ہو گا۔

اچھا ابا.....

راہو بھاگ کر برآمدے کی طرف گئی۔ جہاں ایک چھوٹی سی دیوار کے

ساتھ چولہا تھا۔

راہو نے آگ جلا کر تورا رکھا۔ جب وہ آگ بڑھکانے کے لئے پھونکیں مار

رہی تھی تو انور نے کنکھیوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت

تھیں.....

اس کا چہرہ تمنا یا ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے روٹیاں پکائیں۔

انڈے کا آلیٹ بنایا اور رٹے سجا کر ابا کو پکڑا دی۔

انور نے کھانا کھا کر برتن خود ہی لا کر برآمدے میں رکھ دیئے۔

انور بابو چائے بھی پیو گے نا.....

اقبال ہنس کر بولے۔

رہنے دیجئے.....

چائے بن گئی ابا.....

راہو نے پیالیوں میں چائے انڈیل کر ابا کو پیالیں تھما دیں.....

میری بیٹی چائے بہت اچھی بناتی ہے.....

اقبال صاحب بولے.....

راہو نے اوپر جا کر کمرہ جھاڑا۔ چارپائی بچھا کر اجلی چادر اس پر بچھائی اور

نیچے آگئی.....

اقبال انور کے ساتھ اوپر چلا گیا.....

اور وہ جلدی جلدی کام پنپانے لگی.....

اقبال انور کو اپنے گھر کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ

راہو اس کی پہلی بیوی سے ہے اور اب دوسری بیوی سے اس کے چار بچے ہیں۔

تمہارے ہی لاڈ پیار نے نوابزادی کو بگاڑ دیا ہے۔ پرسوں پلیٹ توڑ دی۔
 آج اکٹھی دو بیالیاں۔ میں تو اس لڑکی سے عاجز آگئی ہوں۔
 چل رابعہ کام کر جا کر اس گھر میں تو کل کل سے دن چڑھتا ہے۔ گھر
 مہمان آیا ہوا ہے کیا خیال کرے گا۔

اقبال بولے
 خیال کیا کرے گا اسے چند دن میں پتہ چل جائے گا کہ اس گھر میں کیا ہوتا
 ہے اور دیکھ لڑکی۔ اگر تو کبھی اوپر گئی تو ہڈیاں توڑ دوں گی تمہارے باوا کی تو
 عقل ٹھکانے نہیں۔ گھر میں جو ان لڑکی ہے اور مہمان لے آئے ہیں۔

رشیدہ تیز آواز میں بولی
 آہستہ بولو
 خدا کے لئے آہستہ بولو
 اقبال بولے
 اچھا اچھا
 آہستہ بول لیں گے۔
 جاؤ اسے ناشتہ دے آؤ
 رشیدہ رابعہ پر چہیتی ہوئی نظر ڈالتی ہوئی چولے کے پاس چلی گئی
 انور نے اس مظلوم سی لڑکی کے بارے میں بہت کچھ سوچا اور اس
 کے بعد وہ دفتر چلا گیا



صبح تیز تیز چیخ و پکار، برتنوں کے پیٹنے کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں تو
 وہ گھبرا کر اٹھا، نیچے دیکھا۔

رابعہ صحن میں سہمی سہمی کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اقبال صاحب سر جھکائے چارپائی پر بیٹھے تھے۔

بچے بھی جمع ہو کر آپا کی پٹنے کا تماشا دیکھ رہے تھے
 اور کالے رنگ کی موٹی سی عورت جو غالباً اقبال کی دوسری بیوی تھی۔

رابعہ کو پیٹ رہی تھی
 تیرا ستیاناس جائے، جانے کہاں دھیان رہتا ہے تیرا۔ پوری دو بیالیاں توڑ
 ڈالیں تجھے موت نہ آگئی میرا گھر ویران کئے جا رہی ہے
 بس کرو رشیدہ
 اقبال دھیمی آواز سے بولے۔
 تم ایک لفظ بولے تو میں ابھی میکے چلی جاؤں گی۔

..... گئی

نیچے کا منظر ہی کچھ عجیب تھا۔



مگر اسے ایک بار بھی موقع نہ ملا.....

ایک کالے بھنگ گئے جسم کے نوجوان نے رابعہ کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور اسے اندر کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔

”بچاؤ..... بچاؤ..... بابو جی..... بچالو مجھے.....“
رابعہ چیخ رہی تھی.....

انور نے آگے بڑھ کر نوجوان کو دو تین کے دے مارے اور دوسری طرف دھکیل کر بولا.....

”ذلیل آدمی..... شرم نہیں آئی۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“

رابعہ روتی ہوئی انور سے لپٹ گئی.....
وہ خوف سے تھر تھرا کانپ رہی تھی.....
”تم کون ہو جی.....“

وہ آدمی اٹھ کر غصے سے بولا.....
انور نے دوبارہ اسے پکڑنے کی کوشش کی.....
تو وہ انور کی طرف جھپٹا.....

اور انور کا سر دیوار کے ساتھ لگا تار بیٹھنے لگا۔
رابعہ پھر دوڑ کی بیچ میں آئی.....

”نورے خدا کے لئے چھوڑ دو“
رابعہ نے ہاتھ جوڑ دیئے.....

”میں بھی کہوں آج اتنی کیوں اتر رہی ہو۔ اب پتہ چلا کہ یار کو گھر میں چھپا رکھا تھا.....“

انور نے پورا زور لگا کر نورے کے پیٹ پر لات ماری تو گر پڑا.....
”بابو جی..... یہ بہت ظالم ہے..... یہ آپ کو مار ڈالے گا“

رابعہ انور کو باہر کی طرف گھینے لگی۔

عین اس وقت اقبال صاحب آگئے.....

انہیں دیکھ کر نور اٹھ بیٹھا..... کہنے لگا بڑے بھائی آج میں نہ آتا تو تمہاری عزت لٹ چکی ہوتی۔

”کیا بکتے ہو.....“

اقبال غصے سے بولا.....

”یہ دیکھو بڑے بھائی..... رابعہ نے گھر میں اس دھکڑے کو چھپا رکھا تھا.....“

”بکو مت.....“ اقبال بولا

”ابا یہ بالکل جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ..... مجھے اکیلا دیکھ کر ابا اس نے..... اور ابا..... بابو جی نے تو اس سے میری عزت بچائی ہے“

رابعہ روتے ہوئے باپ سے لپٹ گئی۔

انور نے اقبال صاحب کی طرف دیکھا۔ انور کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

کہنے لگا۔

رابعہ کمرے میں گئی۔ انور اوپر جانے لگا تو اقبال صاحب بولے۔

”انور بابو“

”جی“

”ایک بات کہنا چاہتا ہوں“

”کیسے“

انور ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

آپ کی کہیں معافی ہو چکی ہے کیا؟“ اقبال جھکتے ہوئے بولے۔

”جی نہیں“

”تو انور بابو رابعہ میرے سینے کا سب سے بھاری بوجھ

ہے میرا یہ بوجھ اٹھا لو گے“

اقبال کی آنکھوں میں آنسو تھے کہنے لگا۔

”یہ بد نصیب آٹھ برس کی تھی کہ اس کی ماں انتقال کر گئی، یہ ثانی کے پاس

رہی کچھ عرصے بعد وہ بھی زندہ نہ رہی“ میری والدہ نے میری دوسری شادی کر

دی“

رشیدہ نے اس بچی سے کبھی محبت نہ کی، اس کی جھڑکیوں اور مار پیٹ کے

مائے میں یہ جوان ہو گئی اور اب رشیدہ چاہتی ہے کہ میں اس کا بیاہ نور سے

کر دوں۔

نورے کو تم دیکھ چکے ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ رابعہ کا ہاتھ اس کے

”یہ کون آدمی ہے“

”یہ کم بخت میری بیوی کا بھائی ہے“ اقبال صاحب نے غصے سے

نورے کی طرف دیکھا۔ جو ڈھیٹ بنا کھڑا تھا“

”میں کہتا ہوں نکل جاؤ میرے گھر سے اور آئندہ قدم رکھا تو مجھ سے ہر

کوئی نہ ہوگا۔ جاؤ دفع ہو جاؤ“

اقبال نے کہا“

”جاتا ہوں خٹا کیوں ہوتے ہو۔ سیدھی طرح رشتہ کر دو نا، اپنی بیٹی کا بچہ

سے“

نور جانے کے لئے مڑا“

”خبردار جو اپنی ناپاک زبان سے میری بیٹی کا نام لیا آئندہ“

اقبال صاحب اس کی طرف جھپٹے لیکن وہ جا چکا تھا۔ اس کے جا

کے بعد خاموشی سی چھا گئی۔

رابعہ جلدی سے اندر گئی اور کپڑا جلا کر لے آئی اس کے ایک ہاتھ میں پڑا

تھی“

”ابا بابو جی کے سر سے خون بہہ رہا ہے یہ باندھ دو“

اقبال نے پٹی لے کر انور کے سر پر باندھ دی اور بولا“

”آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا انور بابو“

”شرمندہ نہ کریں اقبال صاحب“

ہاتھ میں دے دوں

”میں آج کل رابعہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، میں چاہتا ہوں کہ کوڑا بھی اچھا لڑکا ملے تو میں اس فرض سے بکدوش ہو جاؤں یہ اپنے گھر بیٹے کی تو شاید اس کے نصیب میں بھی چار دن خوشی کے آجائیں، بڑی دکھی ہے انور بابو اس کا سہا سہا چہرہ دیکھتا ہوں تو کلیجہ کشتا ہے لیکن بے گھر ہوں، کچھ نہیں کر سکتا“



ڈھائی گھڑی کا ہیضہ ٹوٹے تجھ پر
تجھ پر اللہ کی مار
پتہ نہیں کب تک میرے کلیجے پر مونگ دے گی تو۔
اونچی آواز سن کر انور نے نیچے دیکھا
رابعہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی، نور اسے بڑی چھوٹی انگلی میں
بائے کھڑا تھا۔
اور رشیدہ کمر پر ہاتھ دھرے رابعہ کو صلواتیں سناری تھی۔ تجھ پر خدا کی
مار میرے بھائی کو اس یار سے پڑاتے ہوئے تیرے ہاتھ نہ ٹوٹے
آپا بھائی صاحب نے تو مجھے کھڑے کھڑے نکال دیا تھا۔
نور ابولا
اب تیرے اس بھائی صاحب کی خبر میں لوں گی
یہ تو اس وقت خوب اکڑ رہی تھی۔

اقبال انور کو بھرائی ہوئی آواز میں سنارہا تھا اور اندر دروازے سے لگی رابعہ کے آنسو ٹوٹے دانوں کی طرح بہہ رہے تھے
”انور بابو میری بیٹی بہت اچھی ہے بڑی سکھڑ، اس سے تمہیں کبھی گلہ نہ ہوگا“
”تم چپ کیوں ہو مجھے اپنا فیصلہ بتاؤ بیٹا“
اقبال بے چینی سے بولے
”میں مجبور ہوں اقبال صاحب انور آہستہ سے بولا اور اقبال کا چہرہ
مایوسیوں میں ڈوب گیا
میں چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں، ابھی مجھے ان کے گھر بسائے ہیں“
انور کی آواز رابعہ کے لئے مایوسی کے اندھیرے گہرے کر گئی
اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی
اور جب وہ انور کے پاس سے گزری تو اس کی نظروں میں جیسے خون جھنک رہا تھا
.....

لوں کی

سوچ لو آپا کہیں بھائی صاحب اکڑ گئے تو ایمان سے میری بڑی بے عزتی ہوگی دوستوں میں۔

وہ کون ہوتا ہے میں نے تمہیں کہہ دیا تم جمعہ کے روز برات لے کر آجانا، کچھ مجھے بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہو اور تمہیں پتہ ہے کہ میں زبان دے کر اسے ہر صورت پورا کرتی ہوں بس تم آجانا

رابعہ کھڑی کانپ رہی تھی۔
گلی کے بچے بھی تماشا دیکھ رہے تھے۔ چھجوں، منڈیروں اور کھڑکیوں سے عورتیں بھی جھانک رہی تھی۔
ایک عجیب سا تماشا تھا۔

انور نے اپنا سامان اٹھایا اور نیچے آگیا
رابعہ کی طرف ایک نظر دیکھا اور باہر نکل گیا، پریشان سا دفتر پہنچا۔
اقبال صاحب آنکھوں پر چشمہ لگائے قلم سے کچھ لکھ رہے تھے۔
اقبال صاحب آپ گھر جائیے رابعہ کی زندگی خطرے میں ہے۔
انور نے کہا

اقبال صاحب اسی وقت چلے گئے۔

انور پھر بولا

ہاں ہاں یہ بولے گی، اس نے تو شکر کیا ہے کہ وہ بابو مویا ہاتھ آیا، دوڑو! کر اوپر جاتی ہے، ان کے آنکھ منکے میں دیکھتی رہتی ہوں۔
ماں نے بھی آنکھ منکوں سے شادی کی تھی۔ یہ بھی تو اس کی بیٹی ہے۔
خدا کے لئے اماں میری ماں کو چھ نہ کہو
رابعہ تڑپ کر بولی

ہاں ہاں اسے کچھ نہ کہو جو ناگن جن گئی میرے لئے۔
ہائے ! مجھے تو ایک دن چین نہ آیا اس گھر میں بیاہ کر آئی تو! بیٹی تھی میرے لئے کلہوہی
میرا تو نصیبہ ہی پھوٹ گیا

اس کی زبان بڑی تیز ہے، بابو بابو جی کر رہی تھی۔
نورا بولا

ہاں ہاں وہ بابو جی اس کا سگا ہے نا
رشیدہ رابعہ کو مارنے کے لئے لپکی، رابعہ کو دھکا دے کر بولی

آج اسے بھی چلتا کروں گی وہ ہوتا کون ہے میرے بھائی پر ہاتھ اٹھا۔
والا اور تو اسی نورے سے ہی بیاہی جائے گی، اسی کی جوتیاں کھا۔
گی ساری عمر۔

نورے بس تم جمعہ کے روز برات لے کر آجانا، میں سب ٹھیک

پھر وہ چار بچے کہاں جائیں گے۔

رشیدہ ضد کی بڑی پکی ہے، وہ جو کچھ کہتی ہے ضرور کرتی ہے، میں کچھ نہیں کر سکتا.....

نہیں اقبال صاحب ایسا نہ کیجئے، نور اہرگز رابعہ کے لائق نہیں۔

انور بولا.....

تو پھر میں کیا کروں.....؟ کیا کروں.....؟

میں رابعہ سے شادی کے لئے تیار ہوں.....

انور آہستہ سے بولا.....

تم..... تم تیار ہو.....

ہاں..... چلئے اسی وقت..... میں تیار ہوں.....

تم نے میری بیٹی کو بچالیا..... خوش رہو..... میں گھر جاتا ہوں.....

تم فوراً آ جاؤ..... بس چار پانچ آدمی لے آؤ.....

جائیے آپ.....

اقبال خوشی سے لڑکھڑاتے قدموں سے گھر چلا گیا اور اس نے دفتر کے چند

آدمیوں کو لیا اور رابعہ کے گھر چل دیا۔

لیکن.....

ایک طوفان تھا..... جس نے اس گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

چارپائی پر اقبال کی لاش پڑی تھی۔



جھرات کا دن تھا.....

اقبال صاحب دو دن بعد دفتر آئے..... بہت ہی پریشان تھے۔ اس کا دل

چاہا کہ وہ رابعہ کا حال پوچھے، لیکن خاموش ہی رہا۔

انور بابو.....

جی.....

رشیدہ کہتی ہے کہ کل نورے کی بارات آرہی ہے..... اور اگر یہ شادی

نہ ہوئی تو وہ زہر کھالے گی.....

رابعہ کی زندگی برباد ہو جائے گی اقبال صاحب۔

انور بولا.....

جانتا ہوں.....

پھر آپ کچھ کیجئے.....

میں کچھ نہیں کر سکتا..... جو ان لڑکی کو لے کر کہاں چلا جاؤں..... اور

اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک کار آکر رکی، کار میں دو آدمی تھے اور ایک لڑکی جس نے بھڑک دار لباس پہن رکھا تھا۔
وہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ رابعہ تھی۔

وہ آگے بڑھا
لڑکی اسے دیکھ کر ٹھٹھکی۔

لیکن دوسرے لمحے ایک آدمی اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اندر لے گیا
یہ رابعہ نہیں ہو سکتی یہ رابعہ نہیں ہو سکتی۔

تھوڑی دیر میں وہ پھر باہر آ رہی تھی اس کے ساتھ وہی آدمی آ رہا تھا
وہ پھر آگے بڑھا۔

وہ اسے دیکھ کر چوکی
رابعہ
انور بولا
اس نے پلٹ کی دیکھا اور بولی
انور تم
رابعہ رابعہ انور حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
شاؤ تمہاری بہنوں کے بیاہ ہوئے ہیں یا نہیں
رابعہ ہنس کر بولی
محلے والوں نے بتایا کہ رابعہ بھاگ گئی
اقبال صاحب جب واپس آئے تو وہ نہیں تھی۔ جاتے وقت وہ ابا کے نام
ایک خط چھوڑ گئی تھی کہ اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور
صدے سے اقبال صاحب کی موت ہو گئی ہے
انور جب وہاں سے آیا تو بہت ہی پریشان تھا۔
پھر اس نے وہ شہر چھوڑ دیا
مارا مارا پھرتا رہا
کبھی ایک جگہ اور کبھی دوسری جگہ
اس کی دو بہنیں بیاہی گئی تھیں اور دو اس عمر میں پہنچ گئیں جہاں بالوں میں
چاندی کے تار جھانکنے لگتے ہیں۔
انور نے کئی جگہوں پر نوکریاں کیں، ٹیکسی چلائی رکشا ڈرائیور
بنا جو کام ملتا کر لیتا
ان دنوں وہ ٹیکسی چلایا کرتا تھا
جگہ جگہ کی سواریاں ملتیں
وہ ٹیکسی پر دو سواریاں لئے ونس کلب جا رہا تھا
وہ دونوں کوئی غیر ملکی تھے۔
ونس کلب پر اسے روک کر اندر چلے گئے
وہ اتر کر ٹہلنے لگا
اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک کار آکر رکی، کار میں دو آدمی تھے اور ایک لڑکی جس نے بھڑک دار لباس پہن رکھا تھا۔
وہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ رابعہ تھی۔
وہ آگے بڑھا
لڑکی اسے دیکھ کر ٹھٹھکی۔
لیکن دوسرے لمحے ایک آدمی اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اندر لے گیا
یہ رابعہ نہیں ہو سکتی یہ رابعہ نہیں ہو سکتی۔
تھوڑی دیر میں وہ پھر باہر آ رہی تھی اس کے ساتھ وہی آدمی آ رہا تھا
وہ پھر آگے بڑھا۔
وہ اسے دیکھ کر چوکی
رابعہ
انور بولا
اس نے پلٹ کی دیکھا اور بولی
انور تم
رابعہ رابعہ انور حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
شاؤ تمہاری بہنوں کے بیاہ ہوئے ہیں یا نہیں
رابعہ ہنس کر بولی

وہ اب تک خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا
 کہ اس کا ساتھی بولا
 آؤ ناڈارلنگ کہاں الجھ گئیں۔
 اور رابعہ مسکرا کر اس کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ہاتھ ہلاتی چلی گئی۔



بہت سارے مہینے بیت گئے۔

اس نے رابعہ کو نہ دیکھا حالانکہ ٹیکسی چلاتے ہوئے وہ آس پاس
 ادھر ادھر نظر دوڑاتا۔

شاید رابعہ اسے نظر آجائے لیکن رابعہ کہیں نہ ملی
 اسے یاد آیا
 ایک ادا اس سادہ
 سردی سے غمگین ہوا
 شاہی محلے کے ٹیکسی اسٹینڈ پر وہ ٹیکسی کھڑی کئے اس کے قریب ہی چائے
 والے کی دوکان کے چوڑے پر بیٹھا تھا اس کی تھکی تھکی سی نگاہیں خلاؤں
 میں کچھ تلاش کر رہی تھیں، جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو، اس کے کپڑے میلے اور
 بوسیدہ تھے، اس کی عمر تو بتیس سال کی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی
 وقت سے پہلے ہی اسے بے جا پہ کی منزل پر کھینچ رہی تھی۔ چہرے پر نیڑھی ترچھی

سلوٹوں کے خطوط نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بست دیر گزر گئی نہ اس نے سر کو جنبش دی اور نہ نگاہوں کو حرکت،
شاید وہ ایک ہی مرکز پر سوچ رہا تھا۔
سامنے سڑک پھیلی ہوئی تھی۔

نہ لوگوں کا جھوم اس کی محبت میں حائل تھا اور نہ بسوں کی گڑگڑاہٹ اس
کی خاموشی کی توڑ رہی تھی۔

رابعہ جانے کہاں تھی
جانے اسے میری شکل بھی یاد نہ ہو
لیکن وہ عجیب سی پراسرار تاریکی کی طرح میرے ذہن کے گوشوں

میں گھسی ہوئی ہے۔

بڑی دیر بعد اس نے تھکے انداز میں جمائی لی اور بہت آہستگی سے کہا۔
تم جانے کہاں ہو
اچانک ہی برقعے میں لپٹی دو عورتیں اس کے قریب آئیں۔

ڈریم لینڈ سینما چلو گے؟

ایک عورت نے پوچھا
اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اگلی سیٹ پر آ بیٹھا۔

وہ دونوں بھی پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں۔

انور نے اسٹیرنگ گھمایا گاڑی کو جنبش ہوئی اور دونوں عورتوں نے

نقاب الٹ دیئے۔

انور نے شیشے میں دیکھا تو دیکھتا رہ گیا
وہ رابعہ تھی اس کے ساتھ کوئی عورت تھی۔
وہ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا، کبھی کبھی آئینے میں دیکھ لیتا۔
نیلیم خان صاحب کو ساتھ لے لیتے تو اچھا تھا
عورت بولی

رہنے دو کیا فرق پڑتا ہے
رابعہ جو اس وقت نیلیم تھی ہنس کر بولی۔

رات نواب شیر احمد کے ہاں مجھے پر جاؤ گی
دوسری عورت بولی

سائی تو پکڑا گئے تھے جانا ہی پڑے گا۔
نیلیم نے کہا
انور کے دل میں ہوک سی اٹھی
تو تم یہاں پہنچ گئیں رابعہ
وہ صرف سوچ کر ہی رہ گیا
نیلیم کار کب خرید رہی ہو، اب تو برا مال آگیا ہے ہمارے پاس
عورت ہنس کر بولی

کیا کموں گی کار خرید کر کوٹھنے سے نکل کر کہاں جاؤں گی۔

آج قلم کے لئے بھی تم نے مجبور کیا تو چلی آئی ورنہ سچ پوچھو تو میرا کہیں
آنے جانے کو دل نہیں چاہتا

کیوں؟ عورت نے پوچھا

بس یونہی کوئی خاص وجہ نہیں

نیلیم ایک بات تو بتاؤ

کیا

مجھے لگتا ہے تم مطمئن نہیں ہو ایسا لگتا ہے کوئی غم تمہاری زندگی
میں ناسور کی طرح رس رہا ہے، تم مسکراتی ہو نا تو مجھے تمہاری مسکراہٹ کھوکھلی
لگتی ہے

نیلیم مسکرا دی کہنے لگی

اصل میں کچھ زخم ایسے ہیں جو مندش بھی ہو جائیں لیکن ان میں ایک
نہیں ہے جو ختم نہیں ہوتا، نیلیم نے بھیگی پٹکیں اٹھائیں اور بولی، زندگی ایک
تکلیف دہ سفر ہے۔

ذریعہ لینڈ سٹاف میں نیکی کی

نیلیم نے پرس کھول کر پیسے دیکھے، جب وہ پیسے واپس کر رہا تھا

تو نیلیم نے اسے غور سے دیکھا پہچان لیا

انور بابو

وہ حیرت سے بولی

ہاں

اس نے شاکی سی نظروں سے دیکھا

تم سے بہت باتیں کرنی ہیں انور بابو کوئی وقت نکال سکو گے۔

نیلیم آہستہ سے بولی

جہاں تم رہتی ہو میں وہاں شاید نہ آسکوں وہ نظریں جھکا کر بولا۔

تو جہاں تم رہتے ہو مجھے وہاں آجانا پڑے گی۔

نیلیم نے کہا

تم وہاں بھی نہ آسکو گی

انور بولا

وہاں وہاں کیا ہے

نیلیم نے ویران سی آواز میں پوچھا

وہاں میری ماں اور بہنیں رہتی ہیں۔

انور نے کہا

تو پھر کہاں ملو گے

نیلیم بے چارگی سے بولی

کہیں نہیں

انور نے کہا

کیوں انور بابو کیوں

نیلیم تڑپ گئی

رابعد مجھے جہاں کہتی میں اسے ملنے چلا جاتا۔
مگر نیلیم سے میرا کیا تعلق۔

انور دکھ سے بولا

جانتی ہوں

کیا

رابعد نے تم سے التجا کی تھی کہ اسے بچالو

مگر تم نے تمہیں یاد ہوگا، تم نے رابعد کو کیا جواب دیا تھا۔
انور کھوسا گیا، کہنے لگا، تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ انور نے رابعد کے لئے کب

فیصلہ کیا تھا۔

میں تم سے صرف ایک بار ملنا چاہتی ہوں صرف ایک بار۔

آنکھیں بند کر کے میرے کوٹھے پر آجانا انور بابو۔

وہ بہت بری جگہ ہے مگر ایک بار پھر کبھی نہ آنا مگر

صرف ایک بار میری التجا ہے

انور خاموش ہو گیا

میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گی

کہتے ہوئے وہ اس عورت کے ساتھ ہال کے اندر چلی گئی۔

اور وہ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔

پھر ذہن پر بوجھ لئے ادھر، ادھر بچہ تاربا

رابعد نیلیم بن گئی

کیسے کیوں کس طرح؟

یہ سوال اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے۔

وہ گھر گیا تو اس کی ماں نے بتایا کہ جیڑ کی وجہ سے اس کی بڑی بہن کی منگنی

نوں گئی ہے۔

پھر ہی ایک بھاری سل سینے پر آگری

اور اس بوجھ تلے اس کا سانس گھٹنے لگا۔

اسے جب بھی رابعہ کا خیال آتا
 تو اس کی نظروں میں مسجدوں اور درگاہوں میں آرائش و خوبصورتی کے
 لئے لٹکائے ہوئے آئینوں کے ٹکڑے گھومنے لگتے، جو روشنی کو ایک طرف جذب
 کر کے دوسرے طرف سات رنگوں کی شعاعیں بکھیر دیتے تھے۔
 ان آئینوں نے ہی اسے احساس دلایا تھا کہ محبت بھی ایک روشنی ہے جو
 دل کے پار ہو کر زندگی کو سات رنگوں کی خوبصورتی دیتی ہے۔

مگر
 رابعہ نیلم
 رابعہ کے ساتھ گلابوں کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے کے اس نے بہت سے
 خواب دیکھے تھے۔ مگر ان خوابوں کی کیسی تعبیر ہے۔
 میں نے تو تصورات کا تاج محل تعمیر کیا تھا، اس تاج محل کی ملکہ رابعہ
 تھی نیلم نہیں تھی
 وہ تڑپ تڑپ گیا
 اور بے چین ہو کر نیلم کے کونٹے کی طرف چل دیا
 اس بازار سے گزرتے ہوئے اس نے عجیب لوگ دیکھے گندے
 بڑے ہوئے انسان۔ ایسے لگا جیسے سارے بازار سے ایک بدبو سی اٹھ رہی
 ہے
 نیلم کا کونٹا پوچھتے ہوئے وہ پسینے پسینے ہو گیا، اور جب وہ میڑھیاں چڑھ کر



دل کی کائنات میں محبوب کی یادوں کا نکھاریوں ہوتا ہے، جیسے کسی طویل
 اور دھوپ سے جھٹی ہوئی شاہراہ پر ایک تسلسل کے ساتھ پھیلے ہوئے درختوں۔
 سائے۔
 اور اگر دل میں پیار ہو تو ان ٹھنڈے سائوں میں دیرینہ آرزوؤں اور
 خوابوں کا کارواں پڑاؤ کرتا ہے۔
 انور کے دل کی حالت بھی یہی تھی۔
 لیکن کڑوے کھیلے حالات نے اسے زیادہ بے چین کر دیا تھا
 وہ سوچ رہا تھا
 رابعہ نے بلایا ہے
 وہ جاسے یا نہ جاسے
 اس نے پسینہ جھڑپوں کو ٹٹولا۔
 کیا وہ رابعہ سے محبت کرتا ہے؟

اوپر پہنچا تو ایک آدمی نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

اور اونچی آواز میں بولا
 بائی جی آپ کے مہمان تشریف لائے ہیں۔

انور کو یہ فقرہ تیر کی طرح لگا
 رابعہ کمرے سے نکلی وہ سفید کپڑوں میں تھی۔
 آئیے انور بابو
 اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔
 وہ اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔
 وہ دونوں ہی کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔
 دلوں کے اندر طوفان تھا
 انور نے دیکھا
 رابعہ کی پلکیں بھیگ رہی ہیں
 تم کہاں آگئیں رابعہ
 انور آہستہ سے بولا
 جہاں قسمت لی آئی انور بابو
 تم مہرجاتیں رابعہ لیکن یہاں نہ آتیں۔
 انور بولا
 آپ سے کوئی بات چھپی نہیں انور بابو آپ کو پتہ ہے نا اما

میری شادی نورے سے کر رہی تھی۔ اسی لئے میں چلی آئی، مگر خدا گواہ ہے مجھے
 کچھ پتہ نہیں تھا کہ دنیا کیسی ہے۔ یہاں ہر جگہ نورے بستے ہیں انور بابو۔ میں وہاں
 نورے سے بچ کر آئی تھی مجھے جس شخص نے سارا دیا وہ مجھے بس بنا کر لایا
 تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے ایسی جگہ لے جا رہا ہے جہاں سکون ہو گا
 خوشیاں ہوں گی وہ کہتا تھا کہ وہ مجھے کیسے کام دلوائے گا اور پھر میں اپنے ابا
 کو بھی اپنے پاس بلوا لوں گی۔

مگر انور بابو
 میرے اس بھائی نے مجھے ایک بہت ذلیل آدمی کے ہاتھ بچ دیا اور پھر میں
 بکتی بکاتی یہاں پہنچ گئی اب میں اپنے اندر نہیں جھانکتی اپنی ذات
 سے کچھ نہیں پوچھتی کچھ نہیں سوچتی کہ رشتے کیسے بنتے ہیں۔ بلندیاں اور
 پتیاں کیسے وجود میں آتی ہیں اور نہ ہی انور بابو کبھی میں نے مستقبل کے
 بارے میں سوچا ہے میرا کیا ہو گا۔ بس حال میں کھوئی ہوئی ہوں۔ جو کچھ ہو
 جائے ٹھیک ہے جو کچھ مل جائے غنیمت ہے، زندہ رہوں تو کوئی بات نہیں،
 مرناؤں تب بھی کیا ہو گا اس لئے اس لئے میں رابعہ ہوں، نیلم
 ہوں، پتہ نہیں کیا ہوں کون ہوں میرا احساس مر گیا ہے نا۔ مجھے کچھ
 پتہ نہیں چتا، حالات جہاں لے جائیں، چلی جاؤں گی
 یہاں پر رونق ہے یا تنہائی، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ یہاں رقص و سرور کی
 مہکلیں جمتی ہیں، ہلہلہی چھلکتی ہیں، مدہوش مدہوش، ہلکے ہلکے سے لوگ آتے

بات مان لی تو پتہ نہیں مجھے کتنی خوشی ہوگی۔
وہ الماری کھولنے لگی

بست سارے زیورات، بست سی نوٹوں کی گڈیاں اس نے ایک رومال میں
باندھ دیں، اور بولی یہ لے لو انور بابو تمہیں چار ہنوں کی شادی کرنا
ہے۔ خدا کے لئے یہ لے جاؤ

اس کی نظروں میں التجا تھی
یہ یہ تم کیا کر رہی ہو
انور پریشان ہو کر بولا

لے جاؤ نا
رابعہ بولی

نہیں نہیں میں یہ نہیں لے سکتا۔

انور نے ایک نظر رابعہ کو دیکھا اور پھر تیز تیز قدموں سے باہر نکل
گیا

اور وہ گٹھڑی رابعہ کے ہاتھ میں پکڑی ہی رہ گئی۔
انور نے مڑ کر بھی نہ دیکھا

جب وہ باہر نکل رہا تھا تو ایک آدمی اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو
گیا

بابو جی

ہیں۔ بست سارے رنگ ہیں۔ کتنی بڑی کائنات کوئی میرا گاہک بن کر آتا
ہے، کوئی میرے گانے کی تعریف کرتا ہے اور کوئی میری۔ میں ان کی تعریفوں سے
خوش ہوتی ہوں یا خفا یہ مجھے بھی پتہ نہیں

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا
انور خاموش بیٹھا تھا

یہ سناؤ انور بابو تم کیسے ہو؟ تمہارے گھر میں تو سب خوش ہیں نا۔
وہ ایک دم لہجہ بدل گئی

ہاں ہاں سب ٹھیک ہے
انور کھویا کھویا سا بولا

چائے پیو گے انور بابو
رابعہ کے لہجے میں التجا تھی

وہ ایک دم انہی اور چائے کا کمرہ کر واپس آ گئی۔
کوئی بات کرنا انور بابو

رابعہ مسکرا کر بولی

انور خاموش سرخ سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔
انور بابو ادھر آؤ

وہ اسے ایک الماری کے پاس لے گئی میں بری عورت سہی
مگر میں چاہتی ہوں تمہارے لئے کچھ کروں اور اگر تم نے میری

بخشش تو دیتے جاؤ
 انور نے اس کی بات جیسے سنی نہیں تھی۔
 وہ تیزی سے نکل کر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا



یونہی گھٹتے گھٹتے بہت سادقت بیت گیا۔
 بمشکل وہ اپنی ایک بس کی شادی کر سکا۔ اب اسے ایک فلمی رسالے میں
 ملازمت مل گئی تھی۔
 انہی دنوں اسے پتہ چلا کہ نیلم باقی نوری کے نام سے فلموں میں کام کرنے
 لگی ہے۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری فلم انڈسٹری پر چھا گئی۔
 اس کا ایک الگ مقام تھا۔ وہ بڑی اچھی آرٹسٹ تھی۔ اس نے اپنے
 رسالے میں تقریباً سب کے بارے میں لکھا۔ مگر میڈم نوری کی نہ تو کبھی تصویر
 شائع کی نہ انٹرویو اور نہ کوئی خبر۔ وہ ہمیشہ اس کا ذکر گول کر جاتا۔
 اس بات کو ایڈیٹر نے بھی محسوس کیا اور ایک روز ایڈیٹر نے خود ہی میڈم
 نوری سے رابطہ قائم کیا اور انور کو لے کر کوٹھی کی طرف چل دیا۔
 انور حکم کا بندہ تھا انکار نہ کر سکا

جب وہ دونوں میڈم کی شاندار کونھنی میں پہنچے، تو وہ ٹیلیفون پر بات کر رہی تھی۔

کوئی پروڈیو سر فلم سائن کرنے کے لئے بھی بیٹھا تھا۔
انور نے دیکھا.....

وہ ہلکے گلابی رنگ کی خوبصورت ساڑھی میں بہت اچھی لگ رہی تھی، اس کی کلائیوں پر موتے کے گجرے تھے۔ کٹے بالوں پر بھی موتے کی لڑیاں جھول رہی تھیں.....

اس کی بات چیت میں وقار تھا.....

ٹیلیفون رکھ کر وہ جب ان کی طرف آئی تو انور کو دیکھ کر چونکی۔

یہ میرے رپورٹر ہیں مسٹر انور.....

جی..... بڑی نوازش کی انہوں نے.....

وہ ہنس کر بولی.....

بڑا اچھا لکھتے ہیں.....

ایڈیٹر بولا.....

جی میں جانتی ہوں.....

نوری نے کہا.....

اچھا..... ایڈیٹر حیرت سے بولا۔

ان کی کئی کمائیاں پڑھی ہیں میں نے.....

نوری بولی.....

اچھا اچھا..... پھر تو یہ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے ان کی کمائیاں پڑھی

ہیں.....

ایڈیٹر بولا.....

اگر خاموش بیٹھا رہا.....

انٹرویو کے سلسلے میں حاضر ہوئے تھے۔

ایڈیٹر بولا.....

جی ہاں..... آپ سوالات شروع کیجئے۔ مجھے شونگ پر بھی جانا ہے اصل

میں وقت بہت کم ہوتا ہے نا.....

جی مجھے اندازہ ہے..... ماشاء اللہ اس وقت تو انڈسٹری آپ کے دم سے

قائم ہے۔

ایڈیٹر بولا.....

پروڈیو سر نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ کہنے لگا کیا بات ہے جی..... ان کی

پرفارمنسز کا تو جواب نہیں..... سینما ہال میں ایک ایک فخرے پر پبلک داؤدیتی

ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے صاحب ہم تو ٹھہرے اس کے گنگار بندے۔

نوری نے کہا.....

انور دیکھ رہا تھا..... کہ رابعہ اور نیلم کا..... میڈم نوری سے کوئی

مقابلہ نہ تھا.....

میڈم نوری بالکل ایک الگ شخصیت تھی.....

اس کی باتیں..... باتیں کرنے کا انداز..... ایک پروقار سا رکھ رکھاؤ.....

راجعہ اور نیلم تو پتہ نہیں کون تھیں..... میڈم نوری میں جو بات تھی وہ ان میں کہاں.....

ہاں لو انور صاحب سوالات کر لیجئے.....

ایڈیٹر بولا.....

میں انٹرویو لکھ لوں گا..... میرا مطلب ہے ان کے بارے میں تو اخبارات بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے..... کوئی مشکل نہیں۔

انور آہستہ سے بولا.....

یہ بھی صحیح ہے.....

ایڈیٹر نے کہا.....

مگر مجھے اختلاف ہے..... نوری ہنسی.....

آپ اپنے اخبار کی انفرادی حیثیت سے کوئی سوال تو کیجئے..... جو مختلف

ہو..... یعنی بہت انوکھا..... جو کسی نے نہ پوچھا ہو۔

ایڈیٹر اور پروڈیوسر نے قہقہہ لگایا۔

پروڈیوسر بولا.....

واہ واہ کیا بات کی ہے میڈم نے۔ سبحان اللہ.....

واقعی صاحب کوئی سوال کیجئے.....

انور گہرا گیا..... کہنے لگا.....

انوکھا سوال کرنے کے لئے میں آپ سے وقت لوں گا۔

ٹھیک ہے.....

نوری بولی..... آپ بڑے ذہین ہیں۔ انوکھا سوال اور تنہائی ضروری

ہے.....

اب اجازت چاہیں گے.....

انور جلدی سے بولا.....

جی..... ایڈیٹر نے کہا.....

مگر سنئے..... میں ایک قلم بتا رہی ہوں۔

مجھے انور صاحب کی ایک کہانی بڑی پسند ہے۔ میرا خیال ہے میں اس پر قلم

بٹاؤں۔

بہت اچھا خیال ہے۔

ایڈیٹر خوش ہو کر بولا.....

تو وہ کہانی لے دیجئے مجھے.....

نوری نے کہا.....

بولا مبارک ہو

انور نے ایک نظر چپک کی طرف دیکھا اور پھر نوری کو واپس کرتے ہوئے

بولا
مجھے وہ کمائی نہیں بچتا شکریہ

وہ باہر نکل گیا

اور ایڈیٹر اس کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے

تم تو عجیب پاگل ہو انور

ایڈیٹر غصے سے بولا

کیوں

انور نے پوچھا

اتنی بڑی رقم ٹھکرا دی، ارے ! دیوانے یہ اتنا بڑا چانس تھا کہ ساری عمر

بٹل کرتے رہتے۔ تمہیں میڈم کی حیثیت کا اندازہ نہیں شاید، اگر میڈم تمہاری

کمائی پر قلم بنالیتی تو تم آسمان پر چڑھ جاتے۔

مجھے کوئی افسوس نہیں

انور سنجیدگی سے بولا

بے وقوفی کی انتہا ہے

ایڈیٹر غصے سے بولا

میری مرضی

بالکل شوق سے کونسی کمائی ہے

ایڈیٹر نے پوچھا

”ہنتے ذم“ میرے خیال میں بات اسی وقت ڈن ہو جائے تو اچھا ہے۔

کیونکہ رائٹر لوگ بس اپنی مرضی کے ہوتے ہیں

کیا پتہ تھا انہیں ڈھونڈیں اور یہ نہ ملیں

نوری نے مسکرا کر انور کی طرف دیکھا

آپ شوق سے بنائیے جی انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ کیا کم

خوش نصیبی ہے کہ آپ جو قلم بنا رہی ہیں اس کی کمائی ان کی ہے اور میں تو چاہتا

ہوں ان کے لئے تو ایک گولڈن چانس ہے

ایڈیٹر نے کہا

اور نوری اٹھ کر اندر چلی گئی

جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں بیچیس ہزار کا چیک تھا کتنے

لگے یہ پیش کرتی ہوں اور کمائی مجھے صبح بھجوا دیجئے گا۔

ایڈیٹر کی تو آنکھیں بھٹی کی بھٹی رہ گئیں۔

اور پروڈیوسر کو میڈم نوری کی عقل پر حیرت ہو رہی تھی

ایک کمائی کا اتنا معاوضہ حالانکہ قلم انڈسٹری میں تو کمائی پچاس

روپے کی بھی خریدی جاتی ہے۔

ایڈیٹر نے میڈم سے چپک لے کر انور کے ہاتھ میں دیا اور

اب میں تم سے دور نہیں رہ سکتا اب تمہیں میری ضرورت ہے،
میں اپنے جذبات اور احساسات کے ساتھ ایک خاموش گھٹی گھٹی سی جنگ لڑ رہا
تھا.....

مگر رابعہ میں ہار گیا
میں تمہیں نہیں بھول سکتا نہیں بھول سکتا
تم جیت گئیں رابعہ
میں آ رہا ہوں میں تم تک پہنچ جاؤں تو تمہیں بتا دوں گا۔ وہ بات جو
آج تک تمہیں نہ کہہ سکا۔

کہ رابعہ میں تو تمہارے ہاتھوں میں مندی رچانے آ رہا تھا میں تم
سے بے انتہا پیار کرتا ہوں، رابعہ میں آ رہا ہوں
اس نے جیب میں پھٹے ہوئے نوٹ کو ٹولا۔
اور بس کا ٹکٹ لے کر بس کا انتظار کرنے لگا بڑا لمبا سفر تھا۔ گاؤں
سے شہر پھر ٹرین پر دوسرے شہر اور پھر اسپتال۔

انور بولا
مجھے تو تمہارے دماغی توازن پر شک ہونے لگا ہے۔ کیسے کسی دن میرا بڑا
نہ کر دینا
ایڈیٹر نے کہا
ٹھیک ہے جی میں آج سے اپنا استعفیٰ پیش کر دوں گا۔
انور نے کہا
ایڈیٹر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کہ یہ وہی انور ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے۔
اتنے مسائل اور بے نیازی کی انتہا۔

اور اس دن انور نے استعفیٰ دے دیا۔
اور اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ گاؤں آ گیا۔ گاؤں میں وہ اسکول میں
پڑھانے لگا اور کتنے برس بیت گئے
میں گاؤں کے اسکول میں پڑھاتا ہوں
کبھی اڑی اڑی خبر مجھ تک پہنچ جاتی ہے کہ تم میں اب وہ طمطراق
نہیں رہا تم کہاں ہو
تم بیمار ہو
اور کل میں نے پڑھا تم اپنی سوانح حیات لکھ رہی ہو
اور تم اسپتال میں بیمار ہو
تو رابعہ

اس نے قلم لیا اور لکھنے لگی.....

کتنی بڑی کائنات ہے..... یہ کائنات..... یہ دنیا..... میری اپنی

اپنا.....

نیلگوں پانی کی وہ جھیل..... نیلگوں پانی ہلکے ہلکے مدھم سے سروں میں
جنگ بجاتا ہوا۔ ڈوبتے سورج میں شفق کی لالیوں میں انگھیلیاں کرتی ہوئی
جھیل کے مٹھلیں سینے پر سبک روی سے بہتی ہوئی لہریں..... جیسے کائنات کی
بنفیس ڈوب رہی ہوں اور ڈوب کر ابھر رہی ہوں۔

میں بھی ایک لہر تھی.....

سبک سی لہر.....

جس کی صبحیں زندگی بخش، دن حیات آفریں، شامیں کھیلنے کودتے اور
رات نانی اماں کی گود میں کمائی سنتے پرسکون تھیں۔

نانی اماں بہت بوڑھی تھیں، لیکن پھر بھی ان کے چہرے پر پیار کا ایک
سندرمو جھیں مارتا۔

وہ نانی اماں کے ساتھ جھیل پر باقی تو سامنے دہنوں کی طرح سجے ہوئے
باؤں بوٹوں میں چمکتی، مہکتی زندگی غم دوراں سے دور نظر آتی۔

یہ زندگی بھی کیا عجیب شے ہے کیس بول اور کہیں کنول کا پھول۔

کنول کے لال پیلے اور سپید پھول تاحد نظر جھیل کی چھاتی پر یوں پھیلے
ہوئے تھے جیسے بہت بڑے روپلے منقش تھال پر قطار اندر قطار ہزاروں دھکتے



نرس.....

میڈم نوری کمزور سی آوازیں بولی.....

نرس اس کی طرف آئی.....

میرے کرنے میں کسی کو نہ آنے دیجئے گا۔ میں کچھ کام کرنا چاہتی

ہوں.....

مگر میڈم آپ کو آرام کرنا چاہئے۔

نرس بولی.....

مجھے اس کام سے تھکاؤٹ نہیں ہوگی۔ تم باہر برآمدے میں کرسی ڈال

بیٹھ جاؤ..... مجھے جب ضرورت ہوگی میں تمہیں بلوالوں گی۔

نرس چپ چاپ باہر چلی گی.....

تو اس نے قلم اور کاغذ اپنے سامنے رکھے، ہونٹوں پر تبسم تھا، آنکھوں۔

سامنے بیادقت۔

دیئے سجا کر رکھ دیئے گئے ہوں۔

ایک بہت بڑی بھینٹ، ایک بہت بڑے دیوتا کے حضور

جو محبت کا دیوتا ہے

میری اس دنیا میں کئی دیوتا ہیں، کئی فرشتے ہیں، کئی دیوی ہیں، کتنے سارے لوگ، مطلب پرست، ملک کے دشمن، سماج کے دشمن، کینہ پرور، بے وفا اور جانے کون کون میں ان سب کو پہچانتی ہوں، جانتی ہوں اور اپنے آپ کو بھی جانتی پہچانتی ہوں۔ حالانکہ اپنے آپ کو جاننا اور پہچاننا کس قدر مشکل ہے، لیکن میں ان کی بات کروں گی جو میری دنیا میں رہتے آئے ہیں۔

میری دنیا

وہ جھیل مجھے کبھی نہیں بھولتی اس کے مشرقی کنارے پر کھڑی پہاڑی کے پہلو میں شام کے دھند لکوں میں سوئے ہوئے پری محل کے ویران ویران کھنڈر مجھے آج بھی یاد ہیں۔

پری محل کی مجھے نانی اماں نے کمائیاں سنائی تھیں۔

گنگتہ کلیوں جیسی کمائیاں

نانی اماں کی آواز بہت ہی گھمبیری تھی، مگر اس آواز کا پیار اب تک اس

کے وجود میں رچا بسا ہے۔

اور پھر دیرے دیرے اسے نیند آجاتی اور نانی اماں اسے سینے سے لگائے

سو جاتیں۔

رابرہ میری ہے رابرہ میری زندگی ہے۔

جب میں روٹھ جاتی تو نانی اماں کتنے پیار سے مجھے منانے کے جتن کیا کرتی،

مجھے یاد آیا۔

ایک دن میں نے اسپنج چپل لینے کی خد کی تو نانی اماں نے ٹال دیا۔

مگر میں روٹھی رہی نہ کھانا کھایا نہ دودھ پیا۔ بس منہ سجائے

کوٹھڑی میں بیٹھی رہی۔ خد میں آکر میں نے اپنی گزریوں کی پٹاری بھی پھینک دی،

تب نانی اماں نے جانے کہاں سے پیسے ادھار لئے اور مجھے اسپنج کی چپل لاکر دیں

اور میں سارا دن گھس گھس کر چلتی رہی

نانا ابا پہاڑ کے رہنے والے تھے ان کی ایک ہی بیٹی تھی وشملی جو

میری ماں تھی

میری ماں وشملی نانی اماں کہا کرتیں تھیں، وہ بہت خوبصورت

تھی اس کا رنگ ایسا تھا جیسے سرخ سرخ انار، وہ بھی مزدوری کرتی تھی اور ایک دن

اقبال پہاڑ پر آیا۔ وشملی کو دیکھ کر اس نے وشملی کے باپ سے اسے مانگ

لیا اور پھر وشملی اقبال کے ساتھ شہر چلی گئی، جہاں میں پیدا ہوئی

میں آٹھ سال کی تھی کہ وہ مر گئی۔

میرے ابا مجھے نانی اماں کے پاس چھوڑ گئے۔

میں نانا کے کندھوں پر بیٹھی۔ ادھر ادھر گھومتی رہتی۔ گرمیوں کا سیزن

شروع ہوتا تو نانا کی ڈانڈی بہت مصروف ہو جاتی شہری لوگوں کے لال پیلے

سوینروں والے بچے ڈانڈی پر بیٹھتے تو مجھے بہت غصہ آتا۔ لیکن نانا جب مجھے گھبراتا
تو میں بھی ڈانڈی پر بیٹھ کر اپنے آپ کو ویسا ہی بچہ تصور کرتی
اور پھر ایک دن نانا پھاڑ سے گر کر مر گیا
نانی اکیلی رہ گئی

اس نے ڈانڈی کرائے پر دے دی غریب لوگوں کی خواہشات بڑی
محدود ہوتی ہیں، بس دو وقت روٹی مل جائے یہی بڑی بات ہے
نانی اماں نے اسے سکول میں داخل کر دیا وہ اپنے گورے گالوں پر
سیاہی کی لکیریں ڈالے جب اسکول سے واپس آتی تو نانی اماں فوراً گود میں لے کر
اسے پیار کرتیں۔

مگر ایک روز ابا شہر سے آ گئے۔

میں شہر جانے کے تصور سے خوش تھی اور نانی اماں کی آنکھوں میں آنسو
تھے
مگر میں ابا کے ساتھ شہر آ گئی۔

کچھ ہی دنوں بعد خط آیا کہ میری نانی مر گئی
مجھے دکھ ہوا لیکن ابا بھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لئے میں

نانی کو بڑی جلدی بھول گئی۔

ابا دفتر میں خوشنویس تھے جب دفتر جاتے تو مجھے ہمسائیوں کے ہاں چھوڑ

جاتے۔

واپس آتے ہوئے مجھے ساتھ لے آتے۔

اس کے بعد ابا کے گلے کا ہار ہوا کرتی۔ عجیب عجیب سی خدیں کرتی اور ابا

سب پوری کرتے۔



ایک دن اچانک ہی رشیدہ کالی کالی ہاہوں پر موتے کے گجرے پہنے دلہن
بکراس گھر میں آگئی
ابا بہت خوش تھے۔

چونکہ صبح سے ابانے اس پر توجہ نہ دی تھی۔ اس لئے وہ سارا دن پریشان
پریشان، بیزار، بیزاری اپنے آپ سے اکتائی اکتائی سی پھرتی رہی
رشیدہ کی پہلی نظری اتنی تیز تھی کہ اسے اپنے بدن میں چیونٹیاں سی چلتی
محسوس ہونے لگیں۔

رشیدہ نے سب سے پہلے اس کا اسکول چھڑوایا اور گھر کے کام پر لگا دیا۔
اسے کچھ بھی نہیں آتا تھا، چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جب وہ برتن مانجی تو برتن
پر راکھ اسی طرح باقی رہ جاتی۔

آٹا گوندتی تو پانی زیادہ پڑ جاتا۔

روٹی پکاتی تو سے نیچے لٹک جاتی
ابا مجھے ڈر لگتا ہے۔

اس پر مار کھاتی
رشیدہ نے اسے کام پر جوت دیا
وہ آنکھوں میں آنسو بھرے کام کرتی رہتی
جب تھکی ہوئی سونے لگتی تو رشیدہ اپنے پیردواتی
رات اکیلے سوتے اسے بڑا ڈر لگتا
کئی بار وہ اٹھ کر رونے لگتی
تو آدھی رات کے وقت رشیدہ کی صلواتیں سنائی دیتیں۔
یہ موٹی تو چین سے سونے بھی نہیں دیتی
اسے یاد آیا
ایک دن ابا اس کے پاس آئے۔
اور بولے
کیا ہے رابعہ
رابعہ کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بننے لگے
بولو بھی رابعہ کیا ہوا
وہ ابا وہ مجھے
کہو بھی کچھ مجھے نیند آرہی ہے
ابانے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا وہ بولی
ابا مجھے ڈر لگتا ہے۔

سو جاؤ بیٹی کلمہ پڑھ کر سو جاؤ
آپ مجھے اپنے پاس سلا لیں ابا۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔
وہ روتی ہوئی ابا سے چٹ گئی۔

دیکھ لو یہ تو سوت سے بدر ہے میں تو کہتی ہوں اتنا جلتی ہے
مجھ سے کہ کیا بتاؤں

رشیدہ جل کر بولی

بچہ ہے ڈر لگتا ہے اسے

یہ بچہ ہے اس کی عمر کی لڑکیاں تو اتنی سکھڑھوتی ہیں کہ کیا بتاؤں مگر
یہ تو پھوٹ رہا ہے۔ نہ کام کی نہ کاج کی بس کھیلنے کو دے دو۔

رشیدہ کا جو جی چاہتا کہتی

اور ابا تو نئی شادی کے چاؤ میں تھے۔

اسے بھولتے ہی گئے رشیدہ ان پر ہادی ہو گئی اور یوں وہ ڈر ڈر کر
سم سم کر زندگی گزارتی رہی تھی۔

رشیدہ کا بیٹا ہوا تو ابا بہت خوش تھے۔

سارا دن کالے کلوٹے سے بچے کو لے بیٹھے رہتے

اور رابعہ اس بچے کی گندگی دھوتی رہتی

اب ابا اس سے بالکل بے خبر ہو گئے تھے۔

اس کے پاؤں میں جوتی نہیں تھی، سر میں کئی کئی روز کنگھی نہ ہوتی تو بال

بلاز گئے

کپڑوں پر لگے چیتھڑے بھی پھٹ گئے تو اس کا گورا گورا بدن باہر جھانکنے
لگا۔ پڑوسن نے ترس کھا کر اسے اپنی بیٹی کے پرانے کپڑے دے دیئے تو کچھ دن
تن ڈھانچنے کا آسرا ہو گیا

اسے یاد آیا ایک روز پڑوسن نے اسے بلوا کر قینچی سے اس کے جڑے بال
کاٹ کاٹ کر اس کے سر میں کنگھی کی تھی تو رشیدہ نے اسے درمی جھاڑنے کو
دے دی تھی۔

دری کی ساری مٹی نے پھر اسے بھوت بنا دیا تھا۔

رشیدہ نے پانچ سالوں میں ہی گھر بچوں سے بھر دیا۔ اب اس کے چار بچے
تھے۔

اور وہ یوں مار کھاتی۔ جھڑکیاں سنتی جوان ہو گئی۔ اس کی خوبصورتی رشیدہ
کے لئے سب سے بڑی جلن تھی۔

رشیدہ کے چاروں بچے پتلے، بیمار اور کالے کالے، بھدے بھدے نقوش
والے تھے۔

اور رابعہ اس گھر میں یوں لگتی، جیسے کالے کالے دیوؤں نے ایک پری قید
کر رکھی ہو۔ اور یہی انفرادیت اس کے لئے قیامت سے کم نہ تھی۔

پڑوس والی خالہ بڑی اچھی تھی، جب رشیدہ ادھر ادھر ہوتی تو
کے پار کھڑی ہو کر اس سے اچھی اچھی باتیں کرتی ۷۰ سے دیکھنے لگی جو

اسے آتا تھا۔

خالہ کی بیٹی سے وہ کتابیں لے لیتی اور راتوں کو چھپ کر پڑھتی رہتی
بس یہ پڑوس والی خالہ تھی جو جلتے جلتے انگاروں میں اس کے لئے ٹھنڈک
تھی
در نہ رشیدہ کے مزاج میں تو ہر وقت دوزخ کی گرمی بھری رہتی
☆

جون کی تپتی دوسپہر کے جس سے گھبرا کر وہ برآمدے میں چلی آئی۔
رشیدہ اپنے بچوں کے ساتھ اندر کمرے میں تھی۔ پتکھا چل رہا تھا اور وہ
بچوں کے ساتھ سو رہی تھی لیکن رابعہ کی کوٹھڑی میں جس ہی جس تھا۔
برآمدے میں کچھ ٹھنڈک تھی کچھ گرمی نے کچھ آکٹا ہٹ نے اسے
بیزار کیا ہوا تھا۔ آسمان پر بادلوں کے سیاہ ٹکڑے منڈلا رہے تھے، مگر برسنے کی کسی
میں ہمت نہیں تھی اس کی آنکھوں میں بھی ایسے ہی بادل تھے وہ برسنا چاہتے تھے
لیکن برس نہ پاتے اور جس بڑھتا جا رہا تھا۔
آکٹا ہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا
بے چینی اور چڑچڑاہٹ کچھ اور تیز ہو گیا۔ آکٹا کر اس نے صحن کی کچی دیوار
پر نظریں جمادیں۔

چیونٹیوں کا ایک قافلہ تھا
وہ قریب چلی گئی اور چیونٹیوں کے اس قافلے کو انہماک سے دیکھنے لگی جو

اس کے پاؤ

شکر کے دانوں کو لے جانے میں مصروف تھا۔

ننھی ننھی، چھوٹی چھوٹی، کمزور جانوں کا یہ قافلہ یاس کی پستیوں سے بہت دور بہت کی بلندیوں کی طرف گامزن تھا۔ قطار در قطار بے شمار چیونٹیاں اپنی غذا سمیٹے آگے کی طرف رواں دواں تھیں۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں مگن

کتنا سکون ہے اس کارواں میں

اچانک وہ چونک گئی

کمزور سی ایک چیونٹی سوراخ کے تزیب آکر رک گئی رخ دوسری طرف پھیر لیا اور پھر جیسے راستہ بھول گئی

دوسرا قافلہ آگے بڑھتا ہوا سوراخ میں داخل ہو رہا ہے اور چیونٹی بے چاری اکیلی رہ گئی، منزل کی تلاش میں، اپنے ساتھیوں کی تلاش میں اور کارواں کی تلاش میں۔

لیکن وہ بے چاری بھٹک رہی تھی۔

اسے کاررواں نہ ملا ساتھی دور ہو گئے، منزل گم ہو گئی، میں نے ننھی سے کمزور چیونٹی کو انگلی کے سارے اسے سوراخ تک پہنچا دیا۔

کیا پتہ اس بھولی بھٹکی چیونٹی کو اس کی منزل مل جائے، اس کا کاررواں مل جائے۔

مگر

مجھے بھی کبھی کوئی کارواں ملے گا

لیکن میرا تو کوئی کاررواں نہیں، کوئی منزل نہیں۔

وہ پریشان سی ہو کر اٹھ گئی

آپا کہاں ہے ؟

اس کی محنت ٹوٹی۔

سامنے رشیدہ کا بھائی نور اکھڑا تھا۔

نور سے وہ بہت ڈرتی تھی

نورا تھا ہی کچھ ایسا تنگ موری کا پاجامہ اوپر کڑھائی والا کرتہ گلے میں لال رنگ کا مفلر، اور بالوں میں ڈھیر سارا تیل ڈالے، چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں سرمہ لگائے جب وہ تیکھی نظروں سے رابعہ کی طرف دیکھتا تو رابعہ کی جان نکل جاتی۔

بتاتی کیوں نہیں ہو آپا کہاں ہے۔

نورا مسکرا کر بولا

وہ وہ کمرے میں سو رہی ہے۔

اچھا تو یہاں کیا کر رہی ہے

نورا ذرا قریب ہو کر بولا

میں کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں

تو تو دونوں میں جوان ہو گئی رابعہ۔

نور انہیں کر بولا
وہ خاموشی سے وہاں سے جانے کو تھی کہ وہ قریب آگیا۔

کہنے لگا
بڑی جالم ہے تو کبھی تو نہ کر بول لیا کر
تمہیں مجھ سے ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی
رابعہ گھبرا کر بولی
شرم سنا نہیں تم نے جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم اور میں
اپنے کرم پھوڑنا نہیں چاہتا۔

اس نے آگے بڑھ کر رابعہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔
چھوڑ مجھے
رابعہ کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی
سور کیوں کرتی ہے ری جراثمہ پکڑ لیا ہے۔
کات تو نہیں کھایا تمہیں
نورا اپنا منہ اس کے قریب لا کر بولا۔
عین اس وقت پڑوس والی خالہ دیوار کی آڑ سے نکلی
تو نورے نے رابعہ کا ہاتھ چھوڑ دیا
یہ کون ہے؟
خالہ بولی
اور جواب میں رابعہ رو دی
یہ اچھا اندھیر ہے
خالہ ذرا زور سے بولی
شور سن کر رشیدہ بھی کمرے سے نکل آئی۔
کیا ہو گیا کون مر گیا ہے تمہارا کیوں ٹسپے ہمارے ہو۔
رشیدہ رابعہ کو دیکھ کر بولی۔
کچھ بھی نہیں آیا میں تھا جراثمہ کیا تو رونے لگی۔
نورا انہیں کر بولا
اے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے اتنی ہی نازک ہو کیا
رشیدہ بہن خدا کا خوف بھی کوئی چیز ہے۔ جوان جمان لڑکی ہے یہ حرکت
اس آدمی کو زیب دیتی ہے کیا
خالہ نے کہا
کیا ہو گیا بہن
کیا قیامت آگئی ہے ہاتھ پکڑ لیا تو یہ کیا مر گئی ہے
رشیدہ نے غصے سے رابعہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے موٹے
موٹے آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔
مگر رشیدہ کچھ سوچو تو سہی جوان لڑکی سے تمہارا بھائی اس طرح
ذائقہ بھی کرے تو کیا اچھی بات ہے۔ رابعہ سوتیلی سہی مگر تمہارے میاں

مانتے خالہ کے ہاں جانا بھی بند ہو گیا۔

نورا روز آتا اور اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھتا۔

مگر رابعہ اب جس وقت بھی نورا آتا کرے میں تھکی رہتی لیکن ایک روز رابعہ کی کوٹھڑی میں آگیا تو رابعہ کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو گیا وہ جھگ کر پڑوس والی خالہ کے ہاں چلی گئی اس روز رات تک وہیں رہی۔

خالہ نے اقبال صاحب کو گھر بلا کر سب کچھ بتایا۔ رابعہ نے رورو کر ابا کو بتایا کہ نورا اسے کتنا تنگ کرتا ہے۔

اقبال بہت ہی دکھی ہوئے اور رابعہ کو گھر لے آئے۔

رشیدہ اس دن بہت برہم تھی۔

لیکن ابا خاموش تھے اور اسے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، البتہ رابعہ کو گلے لگا کر ان کے آنسو نکل آئے اور اسی طرح گھٹ گھٹ کر وہ یہ سارے ظلم دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ سستی رہی، ایسا لگتا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی۔

کی غیرت ہے۔

خالہ رنجیدہ سی رابعہ کو دیکھ کر بولی۔

ہم اپنے ذاتی معاملوں میں کسی کا دخل پسند نہیں کرتے اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ اس کی ہمدردی کیوں کرتی ہیں۔

رشیدہ لڑنے پر اتر آئی۔

ہمارے دل میں خدا کا خوف ہے اس لئے ہمدردی کرتے ہیں اور ہمیں کونسا لالچ ہے۔

خالہ نے کہا۔

میں سب سمجھتی ہوں۔ یہ آفت کی پرکاشہ تمہارے گھر جا کر میری برائیاں جو کرتی ہے۔

آج سے یہ جا کر تو دیکھے تمہارے گھر اور یہ بھی سن لو رابعہ تمہیں یہی نورا قبولے گا اور دودن میں سیدھا کر لے گا۔

بڑی آگنی صاف بنانے والی۔

رشیدہ نے کمر ہاتھ رکھ لئے اور رابعہ کی طرف جھٹی۔

خالہ بے چاری کیا کرتی یہ منظر دیکھ نہ سکی۔

نیچے اتر گئی۔

اور رابعہ نے اندر جا کر کوٹھڑی کا دروازہ بند کر لیا اور اسی واقعے کے ساتھ

ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا اور پھر مسکرا کر پتنگ نوجوان کو
..... دی

شکریہ بن
.....

نوجوان بولا
.....

رابعہ کی آنکھیں جھللا گئیں
.....

آپ سارا دن کام کرتی ہیں میں دیکھتا رہتا ہوں۔
.....

کیا آپ کا کوئی بھائی نہیں جو آپ کا ہاتھ بنا سکے۔
.....

نوجوان بولا
.....

نہیں
.....

رابعہ کی آواز بھرا گئی
.....

میری بھی کوئی بہن نہیں آپ میری بہن بن جائیں نا
.....

نوجوان بولا
.....

رابعہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہ گئی
.....

مجھے آپ بڑی اچھی لگتی ہیں
.....

رابعہ گنگ سی کھڑی تھی
.....

میرا نام آصف ہے اور میں اس مکان میں رہتا ہوں۔ میرا دنیا میں کوئی
.....

نہیں بس تمنا ہے کہ کوئی آپ جیسی بہن ہوتی جو میرے کپڑے دھوتی
.....

برے لئے کھانا پکاتی میرے لئے دعائیں کرتی۔
.....



کپڑے دھو کر وہ چھت پر لے آئی اور نچوڑ نچوڑ کر سوکھنے کے لئے پھینکا
..... رہی تھی کہ ایک پتنگ آکر اس سے الجھ گئی
.....

ابھی وہ پتنگ کے دھاگے سلجھا رہی تھی کہ ایک نوجوان دوسری چھت پر
..... اس طرف کود گیا۔
.....

وہ اسے جانتی تھی، وہ تیسرے مکان کے اوپر والے حصے میں کرایہ دار
..... تھا
.....

ہمیشہ چھت پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہتا
.....

یہ میری پتنگ ہے بن
.....

وہ اس کے قریب آکر بولا
.....

بہن کے لفظ میں اتنا پیار تھا اور رابعہ تھی ترسی ہوئی لڑکی اس نے
.....

تھپ کر نوجوان کی طرف دیکھا
.....

کاش میرا کوئی بھائی ہی ہوتا کتنا پیار کرتا مجھ سے
.....

رابعہ بڑے پیار سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور وہ بولے جا رہا تھا

آپ کو بہن سمجھ لوں میں
 بھیا رابعہ آہستہ سے بولی
 تو آپ نے مجھے بھیا کہا ہے تو وعدہ کریں کہ میرے گھر آئیں گی
 آصف خوش ہو کر بولا
 میں تمہارے گھر نہیں آ سکتی
 وہ دکھ سے بولی
 کیوں؟

مجبور ہوں میری اماں مجھ پر بڑی سختی کرتی ہیں۔
 وہ جانے کیا سمجھیں

اوہ آپ تو واقعی مجبور ہیں مگر مگر خیر فکر نہ کرو
 میری بہن جب بھائی بنا ہوں تو اپنی بہن کو ان دکھوں سے ضرور چھڑاؤں
 گا۔ آپ حیران ہوں گی کہ مجھے آپ کے بارے میں معلومات کہاں سے حاصل
 ہوئیں۔ اصل میں سارے محلے میں آپ کا چرچا رہتا ہے کہ آپ بہت مظلوم ہیں
 اور آپ پر آپ کی سوتیلی ماں بہت ظلم کرتی ہے۔

رابعہ کی آنکھیں بھر آئیں
 اری کیا اوپر ہی جنازہ نکل گیا تمہارا اتنی دیر سے کیا کر رہی ہو۔

نیچے سے رشیدہ کی آواز آئی تو وہ گھبرا گئی۔
 صبر کرو رابعہ اچھے دن ضرور آئیں گے۔
 آصف نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنی چھت پر طرف چلا گیا۔
 اس نے ایک نظر آصف کو دیکھا اور نیچے آگئی۔
 کیا ہو گیا تھا؟ اتنی دیر کیوں لگا دی۔
 رشیدہ نے پوچھا
 کپڑے پھیلا رہی تھی
 وہ آہستہ سے بولی
 میں دیکھ رہی ہوں، تم میری بات کا بہت مختصر جواب دیتی ہو مجھے یہ
 بتاؤ میں پاگل ہوں
 رشیدہ نے پوچھا
 جو کچھ کر رہی تھی بتا دیا اب اور کیا بتاؤں اماں۔
 آپ تو بس پیچھے پڑ جاتی ہیں۔
 رابعہ آہستہ سے بولی
 تم ٹھیک کہتی ہو میں تمہارے پیچھے پڑ جاتی ہوں۔
 اری پیچھے تو تم پڑی ہو میرے پتہ نہیں کب جان چھوٹے گی تم
 -ے-
 رابعہ نے میلے کپڑے اٹھائے اور گٹھڑی باندھنے لگی۔

یہ باندھ کیوں رہی ہو
 ابھی دھو کر ڈالو
 رابعہ نے بے بسی سے دیکھا اور گٹھڑی اٹھا کر تل کے پاس چلی گئی
 ذہن میں آصف کی باتیں تھیں۔
 آصف اسے بہت اچھا لگا یوں جیسے اپنا بھائی ہو
 ☆
 آصف اسے روز ہی ملتا
 وہ بھی رشیدہ سے آنکھ بچا کر چھت پر چلی جاتی
 آصف اسے ہمیشہ انتظار کرتا ملتا اس سے بڑی اچھی اچھی باتیں
 کرتا وہ اس سے یوں پیار کرتا جیسے واقعی وہ اس کی سگی بہن ہو
 ایک روز وہ اس کے لئے چوڑیاں لے آیا
 وہ چوڑیاں رابعہ نے اپنے صندوق میں کپڑوں کے نیچے چھپا دیں تھیں اس
 کا بڑا دل چاہتا کہ وہ آصف کی لائی ہوئی لال لال چوڑیاں پہنے اور چھن چھن کی
 آواز سن کر وہ اپنی زندگی کے جلتے لمحوں کو ٹھنڈک پہنچائے مگر اس کی یہ
 خواہش دل میں ہی رہ گئی وہ اگر یہ چوڑیاں پہن لیتی تو رشیدہ کی نظروں سے
 کیسے بچا سکتی تھی اور پھر رشیدہ کو پتہ چل جاتا اور آصف جیسا بھائی بھی کھو جاتا۔
 اس لئے روز وہ ان چوڑیوں کو دیکھ لیتی
 آج جب وہ چھت پر آئی تو آصف مٹی پر بیٹھا تھا۔

بڑا انتظار کروایا آج رابعہ

بس موقع ہی نہیں ملا

رابعہ مسکرا کر بولی

دیکھو تو میں اپنی بہن کے لئے کیا لایا ہوں

آصف نے لفافے سے دوپٹہ نکالا بڑا خوبصورت دوپٹہ تھا کہیں کہیں
تارے نکلے ہوئے تھے۔

کیوں لائے ہو بھیا ؟ تمہیں پتہ ہے نامیں اسے اوڑھ نہیں سکوں
گی

رابعہ دکھ سے بولی

مجھے پتہ ہے مگر کیا کروں بازار جاتا ہوں، طرح طرح کی چیزیں
دیکھتا ہوں، جی چاہتا ہے کہ ساری کی ساری اپنی رابعہ بہن کے لئے لے لوں۔ مگر
تمہاری مجبوریاں دیکھ کر بس گھٹ کر رہ جاتا ہوں کیا کروں

آصف نے کہا

تم میرے لئے کچھ نہ لایا کرو بھیا۔ بس تمہارا پیار ہی میرے لئے بہت کچھ
ہے

دل نہیں مانتا بہن کیا کروں میرا بس چلے نہ تو دنیا کی تمام
اچھی اچھی نعمتیں بہن کو سمیٹ کر دے دوں

رابعہ مسکرا دی

رابعہ بہن

آصف کچھ سوچ کر بولا

کیا ہے بھیا

میں سوچتا ہوں کہ آخر کب تک یوں ہی دکھ سہتی رہوں گی۔

جب تک مقدر میں جینا باقی ہے

رابعہ دکھ سے بولی

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی تم چاہے برا مانو۔ لیکن معاف کرنا۔ تمہارے
ابابھی بس بیوی کے غلام ہیں۔ وہ بھی تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے
نہیں نہیں میرے ابابہت اچھے ہیں۔

رابعہ نے کہا

اچھے ہوتے تو تم اتنی دکھی نہ ہوتیں۔ کولہو کے نیل کی طرح دن رات کام
نہ کرتیں وہ چاہتے تو تمہاری ماں کو نکال باہر کرتے۔

آصف بولا

وہ مجبور ہیں

رابعہ نے کہا

وہ گھر کے مالک ہیں جو چاہے کر سکتے ہیں میں نے ایک بات اور بھی

سنی ہے

آصف بولا

کیا کیا

یہی کہ تمہاری اماں تمہیں اپنے بھائی نورے سے بیاہنے کا سوچ رہی

ہیں ہیں

رابہ خاموش ہو گئی رابہ

اب خدا کے لئے یہ ظلم نہ ہونے دینا میں تو کہتا ہوں میرے ساتھ

شہر چلی چلو۔ وہاں میں کماؤں کا اور تم گھر میں ترسے سے رہنا اور پھر میں اپنے بس کے لئے شزاؤں جیسا دو لہا ڈھونڈ کر لاؤں گا اور خود اپنے ہاتھوں اپنی بس کو ڈولی میں بٹھاؤں گا۔

نہیں نہیں بھیا یہ نہیں ہو سکتا میں اپنے ابا کو چھوڑ کر نہیں

جاسکتی رابہ کانپ گئی جاسکتی

یہ تمہیں میں کب کہہ رہا ہوں۔ ابا کو بھی ساتھ لے چلیں گے یہ

مگر ابا کیسے جاسکتے ہیں جاسکتے ہیں

بچے سے آواز آئی اور رابہ جلدی سے نیچے اتر آئی نیچے

رشیدہ بچوں کو لے کر میاں دینے جانے کی تیاری کر رہی تھی تیاری

اسے گھر کا کام نہ پانے کی نصیحتیں کرتی ہوئی رشیدہ باہر نکل گئی نصیحتیں

اور اس نے چین کا سانس لیا چین

شزاؤں جیسا دو لہا آصف کے لفظ اس کے کان میں گونج رہے

تھے۔



وہ برتن دھو رہی تھی کہ اس نے دیکھا دیکھا

ابا کے ساتھ ایک شزاؤہ تھا ساتھ

ابا سے لے کر اندر آ گئے آ گئے

رابہ بیٹی تمہاری اماں کہاں گئی ہیں۔

وہ ابا بچوں کو لے کر میلا دینے گئی ہیں۔

وہ راکھ سے اٹے ہوئے ہاتھ دھو کر بولی دھو کر بولی

اچھا پھر کھانا دے دو سالن تو پکا ہی ہو گا۔

روٹیاں ڈال لو ڈال لو

رابہ جھجک گئی جھجک گئی

آ جاؤ انور بابو اپنے ہی آدمی ہیں۔

وہ سسئی سسئی سی چولے کے پاس آ گئی۔ جلدی جلدی آگ جلائی۔ تو راکھا

اور آنے کی سسئی اپنے سامنے رکھ کر اس نے مہمان کی طرف دیکھا جو چارپائی پر

اور آپ مہمان لے کر آگئے۔

رشیدہ کی باتیں آج رابعہ کو بہت بری لگ رہی تھیں۔ بے چارہ آگیا ہے تو کیا ہوا کہیں رشیدہ اس کی بے عزتی نہ کر دے کہیں کچھ کہہ نہ دے۔ وہ تو شکل سے لگتا ہے کہ وہ بڑا سنجیدہ مزاج اور سمجھدار ہے۔ کہیں برامان گیا تو چلا جائے گا۔

مگر وہ تو تھی مجبور اپنی زبان کھولتی تو قیامت آجاتی۔ مجبوریاں اس کے گلے کا پھندا بنی ہوئی تھیں اور ہر احساس ہر جذبے کو جکڑ کر وہ گھٹی گھٹی سی اس گھر میں رہ رہی تھی۔

سارے کام ختم کر کے جب وہ بستر پر لیٹی۔

تو اسے فکر کھائے جا رہا تھا

کہیں انور بابو رشیدہ کی بات سن کر چلا نہ جائے

اسی وقت ابا اوپر سے آگئے

ابا وہ آہستہ سے بولی

ابا وہ مہمان سے کہہ دیجئے گا کہ اماں کی بات کا برا نہ مانے۔

ابا نے چونک کر رابعہ کی طرف دیکھا اور گزر گئے۔

وہ ڈر کر وہی گئی

یہ میں نے کیا کہہ دیا

ایک انجانا سا خوف ایک نامعلوم سی بے بسی اسے جکڑ رہی

بیٹھا ابا سے باتیں کر رہا تھا۔

کھانا تیار کر کے اس نے ابا کو ٹرے پکڑا دی۔

وہ کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے چائے کا پانی رکھ دیا۔

جانے کیوں کس لئے وہ اس کی خاطر مدارت میں دلچسپی لے

رہی تھی

خوابیدہ سی آنکھوں والا سنجیدہ سانو:وان۔

اس کا دل زور سے دھڑکا

چائے دے کر وہ بلی تھی کہ ابا نے کہا۔

اوپر والا کمرہ ٹھیک کر دو۔ انور بابو کچھ دن یہاں رہیں گے

اچھا ابا

اس نے جھاڑو پکڑی اور اوپر چلی گئی

بڑی محنت بڑے لگاؤ سے اس نے پرانی اور ٹوٹی چیزیں باہر نکالیں کرے

میں صفائی کی اور ہر چیز چھان بھنک کر سجادی۔ چارپائی پر سفید چادر ڈالی تو کمرہ اجلا

اجلا سا لگنے لگا۔

جب وہ اوپر جا رہا تھا تو ابا بھی اس کے ساتھ تھے۔

اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا بس چپ چاپ اوپر چلا گیا۔

شام ہوتے ہی رشیدہ آگئی۔

نئے مہمان کی آمد پر اس نے ابا کو خوب سنائیں کہ گھر میں تو کھانے کو نہیں

تھی.....

دروازے سے پیٹھ لگائے نہ جانے کتنی دیر یونہی کھڑی رہی۔ دماغ سوچ کر

صبح صبح ہی اس سے پیا لیاں ٹوٹ گئیں۔ بس رشیدہ تو اس کے گرد ہل بھلیوں میں کھو گیا۔ اس کی نظروں میں کیا تھا.....

گئی..... رشیدہ نے اسے خوب سنائیں۔ وہ سہمی سہمی سی کھڑی سن رہی تھی۔ اس نے دیکھا..... وہ بیڑھیاں اتر کر درمیان میں کھڑا تھا اس کے ہاتھ اس نے دیکھا اور جھجے کے پاس انور کھڑا ہے۔

اب اس کے لئے ناشتہ لے گئے..... وہ ڈری ڈری سی بیڑھیوں کے پاس آئی اور گلاس لے کر کھڑت کے

اس پانی بھرا..... لیکن وہ اوپر جا چکا تھا.....

اور وہ خود ہونٹ پیسے کام میں لگ گئی.....

انور ابا کے ساتھ ہی دفتر چلا گیا۔ رشیدہ کو بہت بولنے سے بخار چڑھ گیا۔

گھنٹہ بھر رابعہ اس کی ٹانگیں دباتی رہی پھر کلو کے رونے کی آواز سن کر باہر نکل آئی۔

بیڑھیاں طے کر کے وہ اس کے دروازے پر پہنچ گئی.....

پانی..... اس نے گلاس آگے کر دیا۔

اوپر..... وہ اٹھا۔ گلاس پکڑا اور بولا.....

شکریہ.....

وہ جانے کے لئے بیٹھی.....

سنو..... وہ آہستہ سے بولا.....

جی.....

کچھ نہیں..... جاؤ.....

وہ جھجک گیا.....

وہ جب نیچے اتری تو اسے لگا۔ خوشبو کا ایک نازک سا جھونکا تھا جو اسے

سطر کر گیا ہے۔

دن ڈھل رہا تھا..... دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے دروازے

کے جھروکے سے باہر تھانکا..... انور تھا.....

اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔

کون..... بے قابو اور بے ربط سی آواز میں اس نے کہا۔

میں ہوں..... انور.....

آجائے.....

وہ دروازہ کھلی کر اندر آ گیا۔ ایک نظر رابعہ کی طرف دیکھا اور چپ چاپ

بیڑھیاں چڑھ گیا۔

وہ کچھ نہ بول سکی..... ہیندہ ہیندہ ہو گئی۔

خاموش خاموش لیوں پر جانے کتنی کمائیاں تھیں۔ جو اس نے ایک لے لی باہر نکل گئی.....

میں سن لیں تھیں۔

ابا بھی کسی کام سے نکل گئے.....

انور اوپر تھا..... وہ بیٹھی ابا کی فیض سی رہی تھی کہ نور آگیا.....

کیا کر رہی ہو.....

نور اہس کر بولا.....

دیکھ تو رہے ہو..... رابعہ نے بے رخی سے جواب دیا۔

کبھی ہم سے بھی سیدھے منہ بات کر لیا کر.....

نور اقرب ہو کر بولا.....

اماں گھر میں نہیں.....

رابعہ غصے سے بولی.....

وہ گھر میں نہیں تو نہ سہی۔ تو تو ہے۔

مجھ سے تجھے کیا.....

رابعہ کا پارہ چڑھ گیا.....

میرے ہی پلے پڑے گی سب نخرے نکال دوں گا.....

نور اکھی کھی کرتا اس کے قریب آگیا.....

میں کتنی ہوں دور ہو جاؤ.....

اری رعب کس کو دیتی ہے..... نورے نے ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کی

ریشہ نے آج کہیں جانا تھا۔ وہ صبح صبح ہی تیار ہو گئی اور بچوں کا ریوڑا پکڑ کر نکلی۔

مکرمیں..... بھاگوں جلی.....

میں کہاں ان کمائیوں کو سننے کی اہل ہوں.....

محبت کا یہ خاموش ساحیلہ..... مجھے کہاں ملے گا۔

رات کام پٹنا کرب وہ اپنے بستر پر لیٹی تو وہ بہت بے چین تھی.....

یہ شہزادہ جو میرے گھر آگیا ہے..... کیا میری زندگی کے راستوں کو رد کر

کر دے گا..... میں نے تو خواب بھی اسی کے دیکھے ہیں اور اب یہ آگیا ہے۔ از

کی آنکھوں میں ایک پیغام بھی ہے..... کیا میری زندگی میں اجالا ہو جائے

گا.....؟

مگر ساتھ ہی اسے ریشہ اور نور اہنتے ہوئے معلوم ہوئے۔

اس نے دیکھا نورے اور انور میں ایک تصادم ہوا اور پھر گھٹا ٹوپ اندر

چھا گیا.....

وہ کانپ کانپ گئی۔

رات اسے بالکل نیند نہ آئی۔ صبح صبح وہ اٹھ بیٹھی.....

اتوار کا دن تھا آج سب گھر پر ہی تھے اس نے بچوں کا منہ ہاتھ دھوا کر

انہیں ناشتہ کروایا.....

رابعہ نے زور سے چیخ ماری اور بولی ہٹ جاؤ نورے۔

سیدھی طرح رشتہ کر دو نا بیٹی کا میرے ساتھ۔

چھوڑو میرا ہاتھ

جاتے جاتے نور ابولا

اگلے ہی لمحے اس نے دیکھا۔ انور گھبرایا سا نیچے اترا۔ آتے ہی اس نے

خبردار جو کبھی اپنی گندی زبان سے میری بیٹی کا نام لیا۔ ابا اسے مارنے کو لپکے لیکن وہ باہر نکل گیا۔

دیکھانہ تاؤ اور نورے کو کچڑیا

نورا اور انور کی ہاتھ پائی ہو رہی تھی اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

انور کے سر سے خون بہہ رہا تھا

ایک مرتبہ تو رابعہ کا دم ہی نکل گیا۔ نورے نے انور کا سر پکڑ کر دیوار کے

ساتھ پختنا شروع کر دیا۔ رابعہ نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر جلایا اور دوپٹے کی پٹیاں بنا کر ابا کے پاس لے آئی اور بولی

نورا گھٹے جسم کا ذلیل آدمی تھا اور انور لڑائی جھگڑے سے دور سنجیدہ

ابا بابو جی کے سر سے خون بہہ رہا ہے یہ باندھ دیجئے۔

نوجوان۔

ابانے انور کے سر پر پٹی باندھی اور بولے۔

رابعہ نے ہاتھ جوڑ دیئے

آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا انور بابو

اور بولی نورے خدا کے لئے چھوڑ دے

شرمندہ نہ کریں اقبال صاحب مگر یہ تھا کون ؟

کیوں چھوڑ دوں کون ہے یہ کس کو چھپا رکھا تھا۔

انور بولا

انور نے نورے کے پیٹ پر لات ماری اور وہ گر پڑا۔

یہ کم بخت میری بیوی کا بھائی ہے۔

رابعہ نے انور کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر کی طرف لے جانے کی کوشش کر

رابعہ اندر چلی گئی انور اوپر جانے لگا تو ابا بولے۔

ہوئے بولی بابو جی یہ آپ کو مار ڈالے گا۔ یہ بہت ظالم ہے۔

انور بابو

عین اسی وقت ابا آگئے

جی

نورے نے بہت کچھ زہرا گنا چاہا لیکن ابانے نورے کو کھڑے کھڑے

ایک بات کہنا چاہتا ہوں

کہنے

نکال دیا

ابا بولے.....

میں مجبور ہوں اقبال صاحب۔ میں چار بہنوں کا بھائی ہوں ابھی مجھے ان کے گھر بسانے ہیں۔

اور رابعہ کو یوں لگا..... جیسے وہ سارے خواب ٹوٹ گئے۔ وہ دروازہ پکڑ کر یوں کھڑی ہو گئی۔ جیسے گر پڑے گی..... پاؤں اکھڑنے لگے۔ ایسا لگا جیسے وہ صدیوں کی تیار ہو۔

پکڑ پکڑ کر ٹٹل ٹٹل کر وہ اپنی کوٹھڑی میں پہنچ کر اپنے میلے بوسیدہ بستر پر دھڑام سے گر پڑی.....

وہ کائنات جو اس نے بنائی تھی.....

ایک دن اندھیروں میں کھو گئی..... آرزوں نے سسکیوں کا ماتمی لباس پہن لیا اور اسے پھر بیت ناک تنہائیوں کے غار میں دھکا دے دیا تھا۔ آنسو آنکھوں میں تیر رہے تھے۔ انور اوپر جا چکا تھا۔ اور ابا سر جھکائے گہری سوچ میں غرق تھے۔

انور بابو..... آپ کی کہیں معنی ہو چکی ہے کیا..... ابا جھجک رہے تھے.....

جی نہیں.....
تو انور بابو..... رابعہ میرے سینے پر سب سے بھاری پتھر ہے یہ بوجھ اٹھا لے گئے۔

ابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
دروازے سے لگی رابعہ کی آنکھوں میں جھڑی لگ گئی.....
ابا کہہ رہے تھے یہ بدنصیب آٹھ برس کی تھی کہ اس کی ماں مر گئی۔ میں نے رشیدہ سے اس بچی کے سکھوں کے لئے شادی کی تھی۔ لیکن رشیدہ نے اسے ماں کا پیار نہیں دیا اس کی جھڑکیوں اور مار پیٹ تلے یہ جوان ہوئی اور اب رشیدہ چاہتی ہے کہ میں اس کا بیاہ نور سے کر دوں..... تم ہی بتاؤ انور بابو نور میری بیٹی کے لائق ہے۔ میری بڑے دنوں سے کوشش ہے کہ کوئی اچھا لڑکا مل جائے تو اس کا بیاہ کر دوں۔ شاید چار دن یہ بھی خوشی دیکھ لے..... اس کا سہا سہا چہرہ دیکھتا ہوں تو کلیجہ کٹتا ہے۔ کیا کروں، بے بس ہوں۔

انور خاموش تھا.....

اور رابعہ کے دل میں دھڑکن نے طوفان مچایا ہوا تھا۔ وہ دروازے کی دراڑ سے انور کی طرف نظریں جمائے کھڑی تھی۔

تم چپ کیوں ہو گئے انور بابو..... بولونا.....

بابو جی بابو جی کر رہی تھی
 نور ابولا

اس بابو جی کو بھی آج چلتا کروں گی۔ میرے گھر میں کھاتا ہے اور میرے
 بھائی پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ ابھی باہر پھینکوں گی اور ہاں نورے بس جمعہ کو بارات لے
 آتا تم اس کو میں تمہاری جوتیاں ہی کھلوادوں گی

رابعہ کانپ گئی

دیکھ لو آپا ! دوستوں میں میری بے عزتی نہ کروادینا۔

نور انہیں کر بولا

میں جو کہتی ہوں وہ اٹل ہوتا ہے تم جاؤ اور جمعہ کو بارات لے آنا۔

نور تو چلا گیا

اور رابعہ نے دیکھا

انور اپنا سامان اٹھائے نیچے اتر رہا ہے۔

رابعہ نے اس کی طرف بے بسی سے دیکھا

انور نے ایک نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

جب وہ اندر آئی ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

صرف دو دن بعد وہ اس جہنم سے نکل کر دوسرے جہنم میں چلی جائے گی۔

نورے کا چہرہ بار بار اس کی نظروں کے سامنے آ رہا تھا۔

لٹے لٹے سے انداز میں وہ اوپر آئی۔



انگلی صبح تو رشیدہ نے پورا گھر سر پر اٹھالیا

نورے کی بے عزتی پر اس نے اس کے خوب خوب تے لئے۔

نور ابھی پاس کھڑا مصالک لگا رہا تھا

ابا گھر میں نہیں تھے انور اوپر سب کچھ سن رہا تھا۔

رشیدہ بوئے چلی جا رہی تھی

تجھ پر خدا کی مار۔ میرے بھائی کو اس سے پڑاتے تو میریوں نہ مانی۔

آپا بھائی صاحب بھی تو بڑے غصے میں تھے۔ مجھے کہہ دیا کہ آئندہ اس گھر

میں قدم نہ رکھوں

نور ابولا

ہاں ہاں اب اس تیرے بھائی جان کی بھی میں خبر لوں گی جس منہ

سے تمہیں گھر سے نکالا اب اسی منہ سے تمہیں اپنا داماد نہ بنایا تو مجھے رشیدہ نہ

کہنا۔

انور کا کمرہ دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ جانے وہ کب تک روتی رہتی
اس نے دیکھا آصف چمت پھلانگ کر اس کے پاس آچکا تھا۔

کیوں رو رہی ہو رابعہ.....

آصف بولا.....

اماں نورے سے میرا بیاہ کر رہی ہے بھیا.....

رابعہ تڑپ کر بولی.....

یہ نہیں ہو سکتا..... یہ ظلم ہے..... تمہارے ابا ایسا نہیں ہونے دیں
گے.....

آصف بولا.....

ابا کچھ نہیں کر سکتے..... رابعہ نے کہا.....

تو پھر..... میری بہن تم ہی کچھ کرو..... تم خود ہمت کرو۔

کیا کروں میں.....

رابعہ بے بسی سے بولی.....

دیکھو یہاں تمہارا ایک بھی ہمدرد نہیں۔ تمہیں ان کی عزت سے کیا

غرض۔

میری مانو تو میرے ساتھ چلی چلو یہ شہری چھوڑ دو.....

رابعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا.....

کل تم تیار رہنا..... بس چپکے سے نکل آنا۔ میں گلی کی ٹلڑی پر تمہارا

انتظار کروں گا.....

ٹھکر بھیا.....

رابعہ رو دی.....

سوچو مت..... یہی موقع ہے گنوا دیا تو ساری عمر نورے کی قید میں پڑی

رہو گی..... ٹھیک ہے نا.....

رابعہ نے کچھ سوچا اور بولی..... ٹھیک ہے مگر ابا کو تو تم بتا دو گے۔

ہاں ہاں پہلے تمہیں پہنچا آؤں۔ پھر ابا کو بھی لے جاؤں گا۔

رابعہ نے ڈر ڈر کر..... سہم سہم کر وعدہ کر لیا۔

.....

ایک بار پھر اس کے قدم بڑھتے بڑھتے رک گئے کسی طرح بھی وہ خود میں

ہمت پیدا نہ کر پاری تھی۔

شام ہو ہی چکی تھی.....

اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا..... موقع بہت اچھا تھا..... رشیدہ

نورے کے ساتھ بیاہ کے کپڑے خریدنے بازار گئی تھی..... بچے گلی میں کھیل

رہے تھے..... اور ابا ابھی دفتر سے نہیں آئے تھے.....

اس وقت اس کے ذہن میں ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی..... کیا کروں کیا

نہ کروں.....

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے جھٹ دروازہ کھولا آصف

تھا.....

میں گلی کی ککڑ پر کھڑا ہوں جلدی سے آجاؤ گاڑی کا وقت قریب ہے.....

آصف نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہ دیا اور چلا گیا۔

اس وقت دھڑکتے دل سے گھر کی طرف نظر ڈالی بالکل خاموشی تھی.....

وہ اپنی کوٹھری میں گئی بستر سے کھیس اتار کر اوڑھا اور باہر نکل آئی۔

گلی کی ککڑ پر ہی اسے آصف مل گیا.....

چیخوں سے کان بند کئے۔ وہ تیز تیز آصف کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ اسٹیشن پہنچتے ہی انہیں گاڑی تیار ملی۔

آصف اسے اپنے ساتھ ہی مردانے ڈبے میں لے آیا گاڑی چلی تو اسے یوں لگا جیسے اس کی آدھی جاں نکل گئی ہے۔

اسے یوں لگا جیسے ابا کراہ رہے ہوں اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر بھاگتی ہوئی چیزوں کو دیکھا اور پھر جھٹکے سے اس سوچ کو دور پھینک دیا.....

لیکن ابا کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لئے۔ لیکن نہ جانے یہ آواز کہاں سے اور کیسے اس کے کانوں میں گھسی آ رہی تھی۔

رابعہ..... رابعہ بیٹی.....

ابا..... وہ وحشیانہ انداز میں بڑبڑانے لگی.....

کیا ہوا رابعہ.....

آصف اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا..... وہ سک سک کر رونے لگی.....

ایک سک اس کے دل میں رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ احساسات میں ایک اپیل سی مچی ہوئی تھی۔

آصف نے اسے حوصلہ دیا..... آئندہ خوشگوار زندگی کا تصور دیا۔ ابا کو

بولانے کا وعدہ کیا۔

تو اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔

اور ماضی کی دھندلی پر چھائیوں میں خود کو تلاش کرنے لگی۔

چائے پیوگی.....

آصف بولا.....

نہیں.....

پی لو..... اتنی روٹی ہو سر میں درو ہو جائے گا.....

تمہاری مرضی.....

رابعہ آہستہ سے بولی.....

آصف نے پیرے کو چائے کے لئے کہا اور بولا.....



ایک بالیشان سی کوٹھی تھی
 آصف بے تکلفی سے کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ وہ سہمی سہمی اس کے پیچھے
 آجاؤ ڈرو نہیں
 کوٹھی کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں آصف بڑی بے تکلفی سے
 صوفے پر بیٹھ گیا۔
 وہ اب تک کھڑی تھی
 بیٹھو نا اپنا ہی گھر ہے
 وہ بیٹھ تو گئی لیکن ایک عجیب سی بے قراری محسوس کر رہی تھی
 ایک نوکرنے اندر آکر جھانکا اور آصف کو دیکھ کر سلام کیا
 جاؤ صاحب کو اطلاع دو
 آصف بولا
 تھی۔

تم پہلے شر آئی ہو کبھی
 نہیں بس بچپن میں کوہ مری سے ابا لے کر آئے تھے اس کے بعد
 آج تک سفر نہیں کیا
 گھبراؤ گی تو نہیں
 آصف مسکرا کر بولا
 ہم کہاں جائیں گے
 میں فی الحال اپنے ایک دوست کے ہاں جاؤں گا۔ وہ بہت شریف آدمی ہے
 اور اس کا بہت ہی اچھا کاروبار ہے اس سے کہوں گا تمہیں کسی کام پر لگا دے۔
 محنت کرنا اور مزے کرنا میں دو چار دن تک واپس آکر ابا کو تمہارے پاس
 پہنچا دوں گا۔
 میں کہاں رہوں گی
 رابعہ بولی
 تم وہاں میرے دوست کے ہاں رہنا۔ وہاں وہ تمہارا خیال رکھے گا تمہیں
 کوئی تکلیف نہیں ہوگی
 رابعہ خاموش ہو گئی
 لیکن دل میں ہزاروں سو سے سراٹھا رہے تھے۔
 یا اللہ تو میری عزت رکھنا
 وہ اپنے لئے دعائیں کرتے ہوئے پھر سو رہی۔

جی اچھا صاحب آپ کے لئے چائے لاؤں یا کافی

چائے لے آؤ اور ساتھ کھانے کو بھی

جی بہتر

نوکر چلا گیا

تو آصف اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا

آہٹ سی ہوئی

رابعہ نے دیکھا

شاندار سوٹ پہنے ہاتھ میں سگریٹ لئے ایک لمبا چوڑا آدمی اندر آگیا

ہے۔

آصف کیسے ہو

ٹھیک ہوں تم سناؤ

آصف اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر سامنے ہی بیٹھ گیا۔

بڑے دنوں بعد آئے ہو

بس فرصت ہی نہ ملی

یہ میرے دوست ہیں فخر زمان

آصف نے رابعہ سے کہا جو چپ چاپ بیٹھی تھی

فخر نے ایک نظر رابعہ کی طرف دیکھا اور بولا

اور ان کی تعریف

یہ رابعہ ہیں میری بہن اس بے چاری پر اس کی سوتیلی ماں بہت ظلم

کرتی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں

اچھا کیا تم نے

فخر نے اسے سرے پاؤں تک دیکھا

رابعہ سٹ پٹائی گئی اور نظریں چرانے لگی۔

آپ اسے کسی کام پر لگا دیجئے گا

ہاں ہاں

فخر لا پرواہی سے بولا

فخر تو کچھ عام قسم کی باتیں کر کے چلا گیا اور آصف رابعہ کو سمجھانے لگا۔

کہ وہ یہاں آرام سے رہے

فخر پھر اندر آگیا اس نے بھی رابعہ کو تسلی دیں

تو میں جاؤں

آصف بولا

میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ ابا سے میں معافی مانگ لوں گی۔ میں

یہاں نہیں رہوں گی۔

رابعہ کو خوف سا آ رہا تھا

ارے میں تمہارے ابا کو تو لینے جا رہا ہوں۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ

تمہارے آنے کے بعد وہاں کیا قیامت آئی ہوگی اور پھر نور تو تمہاری تلاش میں

ہو گا تم واپس جاؤ گی تو یہ ضرور ہو گا کہ تمہاری اماں نورے سے تمہارا بیابہ کر دیں گی۔

رابعہ کانپ مٹی

بس تم آرام سے رہو میں تمہارے ابا کو لے کر تین چار دن تک واپس آ جاؤں گا۔



آصف چلا گیا تو

اسے یہاں چپ چاپ رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا

روز ہی وہ آصف کی راہ دیکھتی

مگر آصف کا کہیں پتہ نہ تھا

یہ گھر بس خاموش سا تھا فخر تو نیچے کے کمروں میں رہتا تھا۔

دوسری طرف کے کمروں میں ایک خوبصورت سی عورت تھی جو

کی بکھار رابعہ کو نظر آتی مگر ابھی تک اس عورت سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

وہ یہ بھی اندازہ نہ کر پائی تھی کہ یہ عورت فخر کی بیوی ہے یا بسن

بس قیدی سی بنی وہ اس گھر میں رہ رہی تھی۔

فخر نے دو تین بار اس سے پوچھا تھا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ کہہ

۷۔

مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ بالکل آرام سے رہ رہی ہے۔

مگر وہ اکتائی ہوئی تھی

ملازم اسے اوپر ایک کمرے میں لے گیا۔

اور کہنے لگا کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجئے۔

وہ دروازہ بند کئے ڈری ڈری سی بیٹھی رہی۔

ملازم وہیں اسے کھانا دے گیا۔

اسی شام اس کے لئے کپڑے بھی آ گئے۔ مگر وہ جوں کے توں پڑے رہے

اس نے ان کپڑوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

مگر پورا دن گزرنے کے بعد اسے یہ ڈھارس ضرور بندھی کہ فخر واقعی اچھا

آدمی ہے

اور رابعہ سوچ اور فکر کی بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی کمرے میں
آگئی
.....

دو چار دن میں عشرت رابعہ کے ساتھ کھل مل گئی۔ اسے اپنے ساتھ باہر
لے جانے لگی
.....

رابعہ دوپٹہ سر پر اوڑھتی تھی
عشرت نے اسے بتایا کہ دوپٹہ گلے میں ڈالا جاتا ہے سر نہیں ڈھکا
جاتا
.....

مگر وہ پھر بھی اپنی بات پرازی رہتی
عشرت نے چند ہی روز میں اس کی کاپلاٹ دی۔
نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے اور ساڑھیاں
.....

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر وہ خود ہی اسے بتاتی سنواری
رابعہ حیران بھی تھی اور اندر ہی اندر سے خوفزدہ بھی۔ مگر وہ کیا
کرتی
.....

عشرت جیسی چالاک اور عیار عورت نے ایک منٹ میں اس کا جائزہ لے
لیا تھا کہ وہ کتنی بھولی اور معصوم ہے اس نے دنیا دیکھی نہیں دنیا والوں کا
اسے کوئی پتہ نہیں کہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔
.....

رابعہ سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ ایک دم اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ
ہستہ آہستہ پیار سے خلوص سے اور محبت سے اپنی ڈھب پر لا رہی تھی۔
.....

وہ لان میں بیٹھی تھی کہ اس نے دیکھا وہ عورت اسی کی طرف آ رہی ہے۔
کیا حال ہے
.....

وہ قریب آ کر بولی
رابعہ نے ہاتھ ماتھے پر لے جا کر سلام کیا
.....

تم بھی سوچتی ہو گی کہ اتنے دن ہو گئے ہیں تم سے ملی نہیں۔
اصل میں وقت ہی نہ ملا
.....

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی
میرا نام عشرت ہے اور میں فخر کی سیکرٹری ہوں اور یہ گھر فخر کا ہے
.....

میرا نہیں
عشرت مسکرا کر بولی۔
.....

رابعہ خاموش سی بیٹھی تھی
مجھے فخر نے بتایا ہے کہ تم بہت دکھی ہو کر آئی ہو۔ میں بھی جب آئی تھی
.....

ایسی ہی حالت تھی میری مگر پھر میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا اور اب
میں کرتی ہوں۔
.....

رابعہ کو اس بات کی بالکل سمجھ نہ آئی
تم سوچتی ہو گی کہ میں کیسی عجیب باتیں کر رہی ہوں
.....

کچھ دن بعد تمہیں بھی پتہ چل جائے گا۔
عشرت کا فون آ گیا تو وہ چلی گئی۔
.....

کئی بار عشرت اسے باہر لے گئی
فلیمیں دکھائیں ہونٹوں میں کھانا کھلایا۔

شاہنگ کے لئے لے گئی
چمک دک رنگ اور نور رابعہ کو کس قدر گھیر لیا تھا۔

وہ تو تھی بے چاری غریب سی لڑکی جس نے کبھی اچھا کپڑا نہ پہنا تھا۔
ہمیشہ بچا کچھا کھایا اور گھر سے باہر کی دنیا کبھی نہ دیکھی۔ اس کے لئے یہ سب
کچھ نیا تھا اور دلچسپ بھی
مگر

ان روشنیوں کے غبار میں بھی اسے ابا کا انتظار تھا وہ ہمیشہ عشرت
سے پوچھتی رہتی کہ آصف کا کوئی خط آیا یا نہیں وہ اس کے ابا کو لے کر
کب آئے گا

عشرت کوئی نہ کوئی بات بنا کر اسے مطمئن کر دیتی۔

لیکن شاید روز روز کے سوالوں سے وہ بھی تنگ آگئی تھی۔ اس روز وہ
اداس سی بیٹھی تھی

آج صبح سے اس نے کئی بار عشرت سے پوچھا کہ آصف اس کے ابا کو لے
کر کیوں نہیں آیا

عشرت نے پہلے والی بات بنا کر اسے مطمئن کرنا چاہا مگر وہ پریشان تیار نہ تھی۔

عشرت بھی بھانپ گئی

شام کو وہ اداس سی صورت بنائے آگئی
کنے لگی

آصف کا فون آیا تھا
اچھا رابعہ چونک کر اٹھی

عشرت خاموش رہی
- بولونا کب آئیں گے میرے ابا۔ کیا کما آصف نے عشرت

تب بھی خاموش تھی۔

بولونا کیا بات ہے تم بولتی کیوں نہیں۔

تمہارے ابا کا انتقال ہو گیا۔

عشرت دکھ سے بولی

نہیں

رابعہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

آصف نے فون پر ابھی مجھے بتایا۔ مگر میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں یہ خبر
کیسے سناؤں مگر کیا کروں تمہیں سنانا بھی ضروری تھا۔

رابعہ کا رنگ سفید کپڑے کی طرح ہو گیا۔ وہ غم سے لرز رہی تھی
آصف نے یہ بھی بتایا کہ تمہاری سوتیلی ماں اور نورا تمہیں تلاش کر رہے

ہیں اگلے لمحے رابعہ نڈھال ہو گر پڑی

عشرت اٹھی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر بولی۔

مہر کر میری بہن واقعی صدمہ تو بہت گہرا ہے۔ مہراب کیا کیا جاسکتا ہے بہت سے کام لو
 رابعہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے بننے لگے۔
 عشرت رات تک اس کے پاس بیٹھی رہی
 وہ روتی رہی
 رات گئے عشرت اٹھ کر چلی گئی۔
 لیکن وہ ساری رات ہی سکتی رہی۔
 ابا سے یاد آتے تو کبچہ کٹنے لگتا۔
 باہر رات بیت رہی تھی
 اور اندر وہ اکیلی تنہا اندھیروں میں گھبی تڑپ رہی تھی۔

.....

کچھ دن سوگ میں بیت گئے۔
 رابعہ سارا دن منہ لپیٹی کمرے میں پڑی رہتی۔ عشرت نے کئی بار اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔
 عشرت عجیب سی عورت تھی۔ کبھی اتنی خوش دکھائی دیتی اور کبھی حد سے زیادہ غمگین اس کا ہر انداز نرالا تھا جو کچھ تھی اسے چھپانے کے لئے اس نے اپنے اوپر ہڈائی سا غلاف چڑھا رکھا تھا بات کرنے کا انداز مصنوعی سے ہنسی۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ اصلیت کا کہیں دور دور تک نشان نہ

لگا۔

بس بنی ہوئی تھی اور اسی انداز کے سارے لوگوں کو بناتی تھی اس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ بس اتنا تھا کہ زندگی عیش کے لئے دی گئی ہے۔
 وہ تو بس خوبصورت مردوں کو کھلونا بنا کر زندگی کی رنگینیوں کا رس

نچوڑنے کو زندگی کی معراج سمجھتی تھی۔
 اس وقت بھی وہ آتشیں رنگ کے لباس میں لہراتی ہوئی اس کے کمرے میں آئی
 تیار ہو گئیں
 رابعہ بھی بھیجی سی تھی
 ویدر فل چلو پھر دیر ہو گئی ہے۔
 آج کئی روز بعد وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ

باہر آگئی۔

عشرت خودی ڈرائیو کر رہی تھی۔

چپ کیوں ہو رابعہ
 عشرت بولی
 بس یونہی
 ایک بات سوچ رہی تھی میں۔ عشرت نے کہا۔

کیا کیا

تم اپنا نام بدل لو اگر تم نے اپنا نام بدل لیا تو یہ ہو سکتا ہے تم پر اچھا اثر پڑے۔ میرے خیال میں تم اپنا نام کئی رکھ لو کتنا پیار ہے۔

عشرت ہنس کر بولی

میں مسلمان ہوں اور یہ عیسائیوں جیسا نام ہے۔

رابہ آہستہ سے بولی

پاکل ہو تم رابہ مذہب تو بس ایک ایم ہے جسے چند عقلمند لوگ اکثریت کو بیوقوف بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

یہ گناہ ہے

رابہ کانپ گئی

تم تو یہی کوگی مگر تمہارے ان مذہبی ٹھیکیداروں کی طرح بے گناہ بھی نہیں بننا چاہتی جو انسانوں کے درمیان مذہب کی اینٹوں سے نفرت کی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔

عشرت بھرے ہوئے انداز میں بولی

لیکن یہ قصور مذہب کا تو نہیں، ان کے ماننے والوں کا ہے۔

رابہ نے کہا

قصور کسی کا بھی ہو میں مذہب و مذہب کو نہیں مانتی۔ زندگی جینے کے لئے دی گئی ہے اس لئے جی بھر کر اس کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔

گاڑی کلب کے سامنے پارک کر کے وہ اسے ساتھ لے کر اندر آ گئی۔ کلب کے ہال میں مدھم مدھم روٹیاں دودھیا سی روشنی بکھیر رہی تھی۔ آرکیٹرا سے اچھٹی ہوئی موسیقی کی لہر نے ان کا خیر مقدم کیا۔

اسٹورٹ نے انہیں میز دکھائی عشرت نے رابہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہال میں ایک اچھٹی ہوئی نظر ڈالی ہر طرف میزوں پر خوبصورت جوڑے نیم عریاں لباسوں میں بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔

وہ بیٹھی ہی تھی کہ بھاری سی گھمبیر آواز نے پہلو کہا۔

اوپلو

ہاؤڈو یوڈو

عشرت نے مصنوعی مسکراہٹ سے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

بست عرصے بعد زیارت ہوئی ہے

عشرت بولی

ہاں بس ذرا مصروف تھا

یہ جشید ہیں۔ بہت خوبصورت باتیں کرتے ہیں مگر صرف باتیں عشرت

رابہ سے جشید کا تعارف کراتے ہوئے ہنس دی۔

اور یہ ہے مس کئی

عشرت ہنس کر بولی

رابہ خاموش سی ہو گئی

جشید ان کے قریب ہی بیٹھ گیا
آج کل کہاں ہوتے ہیں آپ دکھائی نہیں دیتے ؟

عشرت بولی
سرکار کانوکر جو ٹھہرا ادھر کبھی ادھر
جشید بولا
سنو ایک آدمی کو امریکہ بکھوانا ہے کچھ کر دو نا
عشرت بولی
کون ہے ؟
جشید نے پوچھا۔
بس بھائی سمجھو میرا۔
میرے بچنے سے کیا ہو گا
جشید ہنس کر بولا
میں نے اس کا کیس تیار کر لیا ہے اپروچ بھی بڑی زیروست ہے بس باقی کا
کام تم بتا دو۔
عشرت بولی
بالکل بتا دوں گا
اس کی زندگی سنو رہ جائے گی۔
عشرت بولی
ہاں تمہاری زندگی سنو رہے ہیں میں بھی اس کے سکوتر کا بہت دخل ہے
نا جشید ہنس کر بولا
کیا مطلب
میرا مطلب ہے ایک زمانے میں وہ تمہارا ڈرائیور ہوا کرتا تھا نا
اوہ عشرت ہنس دی۔
اسی لمحے آرکیسٹرا کی تیز آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا ہال کی بتیاں
گل ہو گئیں اور ان کی جگہ شمع کی شکل میں جلتی ہوئی 'قدیلوں' نے لے لی۔ جن
کی مدھم دودھیا روشنی نے ہال میں ایک عجیب سی فضا پیدا کر دی اور پھر
ڈانسنگ فلور پر شعلے کی طرح کیسرے ڈانسرز نمودار ہوئی اور آرکیسٹرا کی
دھن پر بجلی کی طرح مچلنے لگی اس کا نیم عریاں دودھیا جسم سپاٹ لائٹ کی تیز روشنی
میں سیمابی انداز میں تھرک رہا تھا۔ اس کی جسم کی بوٹی بوٹی رقص کناں تھی۔
سارے مجمع کی نگاہیں اس کی سمیں بدن پر مرکوز تھیں اور رابعہ شرم سے پانی پانی
ہوئی جا رہی تھی۔
پورا جسم پسینے میں بھگ گیا۔
ایک بیک آرکیسٹرا رک گیا۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا جس کا جواب
لیڑا کے سلام کے انداز میں جھک کر دیا اس نے پرندوں کے رنگین پروں سے بنا
ہوا خوبصورت سالباں پہن رکھا تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ اس کے جسم کو ان پروں
نے ڈھکنے کی بس کوشش ہی کی تھی۔

ہاں تمہاری زندگی سنو رہے ہیں میں بھی اس کے سکوتر کا بہت دخل ہے
نا جشید ہنس کر بولا
کیا مطلب
میرا مطلب ہے ایک زمانے میں وہ تمہارا ڈرائیور ہوا کرتا تھا نا
اوہ عشرت ہنس دی۔
اسی لمحے آرکیسٹرا کی تیز آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا ہال کی بتیاں
گل ہو گئیں اور ان کی جگہ شمع کی شکل میں جلتی ہوئی 'قدیلوں' نے لے لی۔ جن
کی مدھم دودھیا روشنی نے ہال میں ایک عجیب سی فضا پیدا کر دی اور پھر
ڈانسنگ فلور پر شعلے کی طرح کیسرے ڈانسرز نمودار ہوئی اور آرکیسٹرا کی
دھن پر بجلی کی طرح مچلنے لگی اس کا نیم عریاں دودھیا جسم سپاٹ لائٹ کی تیز روشنی
میں سیمابی انداز میں تھرک رہا تھا۔ اس کی جسم کی بوٹی بوٹی رقص کناں تھی۔
سارے مجمع کی نگاہیں اس کی سمیں بدن پر مرکوز تھیں اور رابعہ شرم سے پانی پانی
ہوئی جا رہی تھی۔
پورا جسم پسینے میں بھگ گیا۔
ایک بیک آرکیسٹرا رک گیا۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا جس کا جواب
لیڑا کے سلام کے انداز میں جھک کر دیا اس نے پرندوں کے رنگین پروں سے بنا
ہوا خوبصورت سالباں پہن رکھا تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ اس کے جسم کو ان پروں
نے ڈھکنے کی بس کوشش ہی کی تھی۔

تالیوں کا شور رکا ہی تھا کہ مدھم مدھم سروں میں پھر ساز بجنے لگا۔
 عشرت نے بے باکی سے اپنی فرایک طرف رکھی اور جشید کا ہاتھ پکڑ کر
 قدیلوں کی ملگجی روشنی میں جشید سے چٹنی ہوئی رقص کرنے لگی۔
 رابعہ کے پورے جسم کا خون سمٹ کر اس کی چہرے میں جمع ہو گیا میں کہاں
 آگئی کیا ہو گا میرا۔
 ذہن کے پردے پر خیالات ابھر ابھر کر ڈوب رہے تھے۔ اس نے دیکھا
 ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جو اکیلا میز کے گرد بیٹھا شراب پی رہا ہے۔ اسے بڑے غور
 سے دیکھ رہا ہے۔
 رقص کا دور ختم ہوا تو عشرت واپس آگئی جشید کسی دوست سے
 باتیں کر رہا تھا۔
 عشرت بار بار تنکھویوں سے بوڑھے آدمی کی طرف دیکھ لیتی۔
 چلو گھر چلیں
 رابعہ گھبرا کر بولی
 ابھی چلتے ہیں۔ کچھ کھاپی تو نو
 عشرت بھوک نہیں
 وہ دونوں اٹھنے کو تھیں کہ وہ بوڑھا آدمی اٹھ کر ان کے قریب
 آیا
 عشرت کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا خیر زمان کو میرا سلام کہنا۔

بہتر عشرت مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔
 یہ کون تھا؟ رابعہ نے پوچھا۔
 بہت بڑا آدمی بہت بڑا افسر
 عشرت ہنسنے لگی۔
 اور وہی بڑا آدمی
 رابعہ کی زندگی کا پہلا حادثہ تھا ایسا حادثہ جو المناک اور خوفناک
 تھا
 رابعہ اپنے ہوش ہو اس کھو بیٹھی
 پچھلی شام عشرت نے اسے خوب سنوارا تھا۔ فخر نے اسے آنکھیں
 دکھائیں اور بتایا کہ اسے اس آدمی سے صرف ایک فائل پر دستخط کروانے
 ہیں
 اسے کیا پتہ تھا کہ جس فائل پر وہ دستخط کروانے جا رہی ہے وہ فائل اس کی
 عزت کو تار تار کر دے گی۔
 وہ لٹ جائے گی
 عشرت اسے اس بوڑھے کے پاس چھوڑ آئی اور وہاں جو کچھ ہوا وہ
 یاد کر کے اس کا جی چاہتا کہ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔
 بد تمیزیوں کا ایک طوفان تھا وہاں بھوک کی نظروں اور ہوس کے جال
 میں وہ کچھ اس طرح الجھی کہ الجھتی گئی۔

جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں فائل تھی۔

فائل فخر نے لے لی اور خوشی سے اچھل کر بولا۔

وینڈر فل تم نے تو کمال کر دیا بہت بڑا کام ہو گیا میرا۔

عشرت کو اس نے خوب سنائیں اور خود بس ٹوٹی ہوئی۔ ابھی ہوئی پلنگ پر

پڑی رہی

آس پاس گندگیوں کے ڈھیر تھے اور وہ درمیاں میں تنہا کھڑی تھی۔

کئی دن یوں ہی گزر گئے

ایک شام عشرت پھر اس کے پاس آئی

کیا بوریت ہے رابعہ اٹھو کہیں باہر چلیں

کہاں

وہ ابھی ابھی سی بولی

جہاں مالک کئے چپ چاپ چلی چلو۔ ورنہ پچھتاؤ گی مجھے

دیکھو عیش کرتی ہوں۔ میری مانو تو ان حالات سے سبھوتہ کر لو تمہارے

لئے بھی اچھا ہے ضد کرو گی تو برباد ہو جاؤ گی

فخر تمہیں کہیں نہیں جانے دے گا۔

وہ خاموش سنتی رہی

اور عشرت مثالوں سے دلیلوں سے اسے سمجھا رہی تھی اور وہ بے

چلی بہت سی کھڑی سن رہی تھی

حالات جیت گئے

رابعہ ہار گئی

اب وہ باقاعدہ فخر کی نمائندہ تھی۔

کئی روپ بدلے

فخر کی تجوری دولت سے بھرتی گئی

ہر جگہ فخر نے ٹانگ اڑائی ہوئی تھی مکان 'زمینیں' امپورٹ

نسب

جو کچھ بھی تھا سیٹے جا رہا تھا اس کے عوض وہ اب بڑے

زمینوں جو ایر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ کر عوام کے دکھ درد کا حامی ہونے کا

ٹوٹی کرتے ہیں۔

اسی عوام کا حق وہ اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو دیئے جا

ہے تھے جو ان کے لئے عیش و سرور کی محفلیں مگرم کرتے۔

کچھ عجیب سا ماحول تھا ان لوگوں کا

رابعہ نے ایسی محفلیں بھی دیکھیں جہاں لوگ اپنے خاندان کی

اورتوں کو لے کر آتے

کچھ ایسی محفلیں جہاں کوئی تمیز نہ رہتی کہ یہ باپ ہے یہ بیٹا

ہے یا بھائی ہے

اس معاملے میں وہ مساوات کی مثال تھے

ایک روز رابعہ ایک ایسے آدمی سے ملی

جو سرکار کا بہت بڑا افسر تھا۔ فخر نے اس سے کوئی ٹیڈر پاس کروانا تھا۔
اسی افسر کا بیٹا فخر کے راستے کا پتھر بنا ہوا تھا۔ فخر نے اس کے بیٹے کو بھی رام کر
لیا



اور پھر پاپ نے بیٹے کے حق میں دست برداری اختیار کر لی۔ عجیب عجیب
واقعات تھے

کبھی کبھی اس کا دل چاہتا ان بکھرے ستاروں کا منہ لوچ لے۔ چاند کی
اڑیں چاندنی کی چادر سر سے کھینچ لے اور اسے بھی دنیا کے سامنے بے نقاب کر
لے۔

لوگ اس کی عیاری بھانپ لیتے

رابعہ معصوم تھی وہ جیت جاتی۔ اس لئے آج کل فخر رابعہ پر بہت
مہربان تھا۔ اس کے لئے دس دس پندرہ پندرہ ہزار روپے کی شاپنگ کرتا۔
ایک الگ کار اس کی خدمت کے لئے موجود تھی۔ مگر رابعہ خوش نہ تھی۔
جھوٹ بول بول کر۔ فریب دے دے کر وہ تنگ آگئی تھی۔ وہ یہاں سے
جانا چاہتی تھی۔ مگر فخر کا جال بہت مضبوط تھا۔

لیکن

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا۔ جب اس کا جی چاہتا۔ ان مستی بھری خوشبوؤں
کا بوجھل دل آویز ہواؤں کے قدموں سے لپٹ جائے اور ان سے پوچھے بتاؤ۔
ہر آفتابوں کی جھنکار کہاں ہے ؟

میرے گیتوں کا ساز کہاں ہے ؟

میری غزلوں کا ترنم کہاں ہے ؟

میں نے تو ایسے خواب کبھی نہیں دیکھے تھے۔

میرے خواب تو بہت حسین تھے بہت پیارے۔

جہاں میں اس اداس آنکھوں والے انور کے ساتھ قدم ملا کر چل رہی

غبار کے دانوں میں الجھ مٹی ہوں۔
 مجھے کیسے زمین نہیں ملی کہ اپنی لاش دفن کر دوں اور اب تو تاریکیوں کو
 تقدیر سمجھ کر سمجھوتہ کر بیٹھی ہوں۔
 اکثر وہ بیٹھے بیٹھے جیج اٹھتی تب اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں
 اور وہ گھبرا کر کیس نکلتی جاتی
 آج بھی وہ جلدی جلدی تیار ہوئی۔ نکلنے کو تھی کہ خرابی۔
 جی
 وہ مسکرائی
 باہر گاڑی میں تھمرا انتظار ہو رہا ہے۔
 فخر بولا
 کون ہے
 میر ستار
 اچھا
 وہ اپنے کپڑوں پر سینٹ پرے کرنے لگی
 بڑا چالاک بنتا ہے اس مرتبہ اس سے کام ہو جانا چاہئے سینما کا
 پلاٹ ہاتھ سے نہ جائے
 تمہارا کیس کس نام سے ہے
 رابعہ بولی

ہوں۔
 وہ فضا وہ خوابوں کی فضا اب تک میرے آنکھوں کی سامنے ہے۔
 قوس و قزح کے رنگ میں ڈوبا ڈوبا ماحول میرے دل کے کورے کانڈ پر تو صرف
 ایک ہی نام لکھا ہوا تھا یہ سا اناؤڈیسی میں کیوں ڈوب گیا خواب
 بے تعبیر کیوں ہو گئے ٹوٹ کیوں گئے۔
 نہ شہنائی بجی نہ مہندی رچی نہ باہل کے درد بھرے گیت
 گائے گئے
 میں میں نے مدھر خوشبوؤں کی ان گنت پریوں کو دیکھا تھا۔ جو دلکش
 سازی لے کر مستانہ وار تھرک رہی تھی۔
 میں نے بیاہ کا سرخ جوڑا نہیں پہنا
 لیکن میں دلہن بنا دی گئی
 میرے رخساروں پر گلاب نہیں کھل رہے تھے۔ خوف کی پرچھائیاں
 تھیں۔
 بے نام خوابوں کی بارات لٹ گئی پھولوں سے لدی پاکی جس نے
 بیٹھ کر بیاہ کے دیس جانے کا سوچا تھا۔
 وہ پاکی کہاں ہے؟ کہاں ہے؟
 میں ہار گئی اور دل پر بھاری پتھر رکھے اپنی جنازے کو دیکھتی رہی میں اب
 جنازے کو کندھے پر اٹھائے جانے کہاں کہاں جاتی ہوں اور اب اب

میرے بیٹے نھر کے نام سے

بس ٹھیک آج ہوا سمجھو

رابعہ بیک اٹھا کر ہار نکل گئی

میر ستار خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا

وہ اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گئی

کلب چلیں

میر نے کہا

جیسے آپ چاہیں

دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی جاننے والا نہ ہو تو وہیں بیٹھ جائیں گے۔ میر نے کار

اشارت کی

آپ جاننے والوں سے اتنا ڈرتے کیوں ہو

رابعہ ہنس کر بولی

بدنامی ہوتی ہے نا اور ہم لوگ اپنے کام میں بہت ریزرو رہتے ہیں۔

لوگ کمزوریاں پکڑ کر بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔

میر بولا

کیا ہوا پھر آپ صرف انسانی نہیں انسان بھی ہیں۔ ہر انسان کو اپنا

حساب خود دیتا ہے۔

تم ٹھیک کہتی ہو مگر احتیاط نہ کی جائے تو بس پڑا ہوا جاتا ہے۔ اب تم

جس سینما کی زمین لینا چاہتی ہو اس طرح کئی نظریں ہیں لوگ تمہیں میرے

ساتھ دیکھیں گے۔ کل کو مجھ پر کیس بنا دیں گے۔ ہر چیز حساب کتاب سے کرنا

پڑتی ہے۔

وہ حساب کتاب کیا ہے

رابعہ ہنسی

سب ہیر پھیر کچھ خاص طریقے ہوتے ہیں۔

میر مسکرا کر بولا

میر صاحب اگر ایک عام آدمی جو اہل بھی ہو۔ آپ کے پاس ایسا کام لے کر

جائے تو کیا آپ اس کا کام بھی کر دیتے ہیں

ہمارا دماغ خراب ہے کیا

میر ہنسا

کیوں

ہم اسی کا کام کرتے ہیں جس سے ہمیں کچھ فائدہ ہوا یا پھر کوئی ایسا آدمی

سفارش کرے جو اس کے بدلے میں وہ ہمارا کوئی کام کرے

بڑی محبت ہے عوام سے آپ کو

رابعہ ہنس کر بولی

کیا کیا جائے

ویسے آپ لوگوں نے جو ٹر خانے کے لفظ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ بھی خوب

ہیں

میر نے قفقہ لگایا اور بولا

تھوڑی سی آس دلائی جائے۔ پھر کوئی ایسا رخنہ ڈال دیا جائے۔ وہ آدمی پھر

ساری عمر اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے

سیاست اسی کا نام ہے

راجہ آہستہ سے بولی

آف کورس

آیا

ہے میں نے کیا کیا؟ اس کے کیس پر لکھ دیا کہ فوراً اس کا کام کیا جائے۔ وہ شخص

جب فائل لے کر گیا تو اتنا خوش تھا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ وہ میرے کمرے سے نکلا

تو میں نے متعلقہ افسر کو فوراً فون کیا کہ یہ کام نہیں کرتا۔ بس وہی ایسا رخنہ ڈال دیا

جائے کہ قصور مجھ پر نہ رہے۔

راجہ زور سے ہنس دی

میری جان اسی کو سیاست کہتے ہیں

دال روٹی کے چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ انہیں ایسے چکروں میں ڈال دونا

ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ ہر آدمی اپنا چکر چلاتا ہے

اور اسی طرح ملک چلتے ہیں۔ حکومتیں چلتی ہیں۔

کلب کے باہر گاڑی رکی

راجہ اتری

سامنے ٹیکسی کا سارا لئے انور کھڑا ہے۔

اس کی نظریں جم کر رہ گئیں

جانے کیوں

اسے اپنے دل میں ایک میٹھی سی ہتھکین محسوس ہوئی

کون تھا

میر ستار بولا

تھا ایک

راجہ آہستہ سے بولی

لیکن انور کو دیکھ کر اس کے دل کے زخموں نے پھر چیخنا شروع کر دیا

تھا

ماضی کے شکستہ مزاروں کی بے کفن لاشیں رسوا سی نظر آنے لگی تھیں۔

حالانکہ اس نے بھرپور کوشش سے ان زخموں کو ایک حد تک بھریا تھا۔ وہ چاہتی

تھی

کر

اس نے میر ستار کے کندھوں پر اپنا سر رکھ دیا

بچنے میں سر چپا کر رونے لگی۔

جیسے وہ انور تھا

خوش ہو کر اسے سینما کے دو پلاٹ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن وہ تو اپنے انور کو پیار کر رہی تھی۔



اور پھریوں.....

وقت کی جھلسی ہوئی ہواؤں کی پاکی میں بیٹھی وہ زندگی گزار رہی تھی.....

اسے فخر کے ہاں آئے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا۔

اس نے اپنی ساری مجبوریوں کے باوجود انور کے نام کو دل سے نہ مٹایا۔

کبھی کبھی یادوں کی پازیب ٹوٹ کر نکھر جاتی تو زرد زرد چاندنی میں وہ اکیلی گھر

سے باہر نکل جاتی۔

اور ماضی کے آزر کدوں میں جا کر انور کی یادوں کے بت تراشتی گھنٹوں

پوچتی اور یکبارگی انہیں توڑ کر پھر اسی دنیا میں چلی آتی۔

جہاں عشرت تھی..... فخر تھا..... اور ان گنت ہوس کے بھوکے لوگ

تھے۔

کیف و نشاط کی بارشیں برستیں۔ لیکن ایسے میں بھی انور دل کے دروازے

پر ہلکے ہلکے دستک دیتا رہتا۔

وہ یہاں مطمئن تھی
اب اس کا نام نلیم بائی تھا

.....
اس کوٹھے پر اس کی حکومت تھی
وہ خوبصورت تھی بہت سارے لوگوں سے ملنے کے بعد اسے
زمانے کی سمجھ آگئی تھی
مگر اس کی محبت میں ایک خاص ٹھہراؤ تھا۔ باتوں میں متانت تھی اور
شخصیت میں دلکشی۔
وہ یہاں پر مقبول ہوتی گئی۔

اپنی نیند سوچی اپنی نیند اٹھتی۔ اب اس نے یہاں سے نکلنے کا ارادہ ختم کر دیا
تھا۔ جاتی بھی تو کہاں۔ یہاں کم از کم اس کی لئے سرچھپانے کی جگہ تو تھی۔ عزت
نہ سہی اور اب وہ اس لفظ کو اپنی زندگی سے خارج کر چکی تھی وہ
اب کہاں عزت دار تھی
اب تو وہ طوائف تھی
یونہی زندگی گزر رہی تھی

بہت سارے چاہنے والے تھے وہ سب کی باتیں سنتی۔ ہنستی
سکراتی مگر اب تک ایک بھی ایسی ہستی اس کے سامنے نہ آئی تھی جسے وہ
خود چاہتی

اور پھر غیر شعوری طور پر دل کے دروازے کھول دیتی۔ اور وہ آہستہ سے
دلہیز پر آکر کھڑا ہو جاتا۔

جس نے گھر کے چھوٹی سے آنگن میں نظروں کی تپش سے اس کے دل
میں پیار کی جوت جگائی تھی۔

اور اسی لمحے اس نے اپنے ذہن کی واویلوں میں سپنوں کا شیش محل تعمیر کر
لیا تھا۔

مگر وہ شیش محل کرجی کرجی ہو گیا تھا۔
اور اب وہ فخر کی اس دنیا سے تنگ آگئی تھی۔
وہ اسے چھوڑ دینا چاہتی تھی

آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اس نے فخر اور عشرت کی کوئی بات نہ مانی
انہیں صاف جواب دے دیا تھا کہ اب اس سے یہ سب کچھ نہیں ہو
گا

عشرت بھی جان گئی تھی کہ اب رابعہ واقعی باغی ہو گئی ہے۔ اور کسی دن
بھی یہاں سے چلی جائے گی۔ بس ٹھکانہ ڈھونڈ رہی ہے۔ اس نے فخر سے رابعہ
کے سامنے میں بڑی لمبی بات کی اور اس کا حل بھی فخر کو بتایا۔

فخر نے اسے ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا اور طوائف نے اسے
گاہنے کی تعلیم دلوانی شروع کر دی تھی۔ اب وہ کوٹھے پر تھی لیکن فخر کے
گھر سے اسے یہ کوٹھا بہتر لگتا تھا۔

وہاں پہنچ جائے۔

ایک دن ایک لڑکا مسجد کا چنہ لینے آیا تو اسے پتہ چلا گلی والی مسجد میں یہی لڑکا آذان دیتا ہے۔ لڑکے کے کپڑوں میں پیوند لگے تھے اور اس کی عمر مشکل سے پندرہ سال تھی۔

لڑکے کا نام رضا حسن تھا۔ اس روز رضا حسن نے اسے نعیش سنائیں اس کی آواز میں ناقابل بیان سحر تھا۔

پھر وہ لڑکا اکثر وہاں آئے گا

وہ بھی جب فاتحہ نیاز دلواتی۔ رضا حسن کو بلوا بھیجتی

لیکن ایک وقت ایسا آیا وہ کئی روز نہ آیا تو وہ خود مسجد گئی پتہ چلا مولوی صاحب نے اسے مارا ہے اور نیلم کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے

تب نیلم نے مولوی صاحب کو اس کا تمام خرچہ ادا کر دیا اور رضا حسن کو ساتھ لے آئی

رضا حسن کی آواز سن کر ہی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے کچھ بتائے گی۔ وہ دنیا کو اتنی خوبصورت آواز سے روشناس ضرور کروائے گی لہذا اس نے رضا حسن پر محنت شروع کر دی۔ اس کیلئے خاص استاد رکھے۔ اسے اسکول داخل کیا اور اس کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

یوں بھی رضا حسن کو سنوارنے بنانے میں اس کا اپنا وقت بہت اچھا بہت رہا تھا۔ وہ شرمیلا سا لڑکا بھی اس سے بہت پیار کرتا تھا۔

خال بہادر آف نور نگر کہتے کتنی کٹھور ہو تم نیلم کتنی بے رحم تمہیں ہم پر ترس نہیں آتا۔ ہمیں دیکھو ہم اپنی ریاست کے ہزاروں کام چھوڑ کر تمہارے پاؤں میں پڑے ہیں۔
وہ مسکرا دیتی
فلسوں کا بہت مشہور ہیرو رازی رات کو اپنے حواریوں کے ساتھ انشے میں جھومتا ہوا آتا اور کہتا۔ کسی سے نہ کہتا نیلم میں تمہارا شیدائی ہوں۔ نہیں تو میرے سینڈل بن جائیں گے۔

فلسوں کا بہت بڑا پروڈیوسر اور ڈائریکٹر جان محمد آکر گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ گانا سنتا۔ ہر چیز کو کیمرے کی نظر سے پرکھتا اور اپنے ساتھ بیٹھے دوست کو کہتا۔ ایمان سے اس کو راضی کر لو۔ پہلی فلم میں ہیرو کین بنا دوں گا اور تھمکے بچ جائے گا نیلم ہر طرح موزوں ہے۔ لانگ میں کلوز میں ٹر شاٹ سب ہی لاجواب ہیں۔

ایک بہت بڑا سرکاری افسر اس وقت آتا جب لوگ چلے جاتے۔ وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہر وقت چوکنا کوئی آنہ جائے نیلم کو اس کی بوکھلاہٹ پر بڑی ہنسی آتی
بس اسی طرح زندگی بیت رہی تھی وہ تھکی تھکی سی بیٹھی ہوتی۔ تو آذان کی آواز سے اس کے جسم کا رواں رواں لرز اٹھا
آذان دینے والے کی آواز اسے پکارا گشتی۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ بھاگ کر

راستہ میں ہینو نے پوچھا۔
تم کارکیوں نہیں لیتی نیلم پیہ تو بہت ہے تمہارے پاس۔
کیا کروں گی کارکو
نیلم بولی
بڑی سہولت ہوتی ہے لے لو
لے لیس گے
رات بھرے پر جاری ہونا ہینو نے پوچھا
ہاں جانا ہی پڑے گا
پورے راستے ہینو نیلم سے اپنے شب و روز کی عام سے باتیں کرتی آئی۔
جب ڈریم لینڈ آگیا اور نیلم ٹیکسی والے کو پیسے دینے لگی۔
تو وہ ایک دم چونکی
وہ ٹیکسی ڈرائیو انور تھا
وہ کانپ سی گئی
انور جس نے اسے بچ بھنور میں تنہا چھوڑا دیا تھا۔ جسے اپنانے کا اس نے
ارمان کیا تھا مگر اب ارمانوں کے گلاب مرجھا گئے تھے ان کی جگہ زخم تھے۔
انور بابو
وہ کانپتے لبوں کے ساتھ بولی
فرمائیے



پڑوس میں ہینو رہتی تھی۔ پڑوسی لکھی تھی، اچھے اخلاق والی تھی۔ اس
لئے نیلم سے اس کی دوستی ہو گئی تھی۔
کبھی کبھی ہینو کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ آج بھی ہینو برقع اوڑھے
آگئی
چل رہی ہو نیلم
کہاں؟
نیلم نے پوچھا
ڈریم لینڈ میں بڑی اچھی انگریزی فلم چل رہی ہے۔
تم کہتی ہو تو چلی چلاتی ہوں
نیلم مسکرا کر بولی
نیلم نے برقع لیا اور ہینو کے ساتھ باہر نکل آئی۔ سامنے ہی ٹیکسی اسٹینڈ
تھا۔ ایک ہی ٹیکسی کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے بیٹھ گئیں۔

وہ شاکی سی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں انور بابو۔ کوئی وقت نکال سکو گے۔

نیلیم ہولے سے بولی.....

جہاں تم رہتی ہو میں وہاں نہیں آسکوں گا۔

انور نظریں جھکائے بولا۔

تو جہاں تم رہتے ہو میں وہاں آجاؤں گی.....

نیلیم جلدی سے بولی.....

تم وہاں نہیں آسکتی.....

انور تلخی سے بولا.....

وہاں..... وہاں کیا ہے.....؟

نیلیم کی آواز بھرا گئی.....

وہاں میری بہنیں ہیں۔ میری ماں ہے۔

انور نے کہا.....

تو..... تو پھر کہاں ملو گے.....

نیلیم کی آواز میں بے چارگی تھی۔ التجا تھی۔

کیس نہیں.....

کیوں.....؟ کیوں.....؟

رابعہ کہتی تو میں سر کی بل آتا..... مگر نیلیم سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

یہ نیلیم کو ملنے نہیں جاسکتا.....

جانتی ہوں.....

نیلیم کی آواز میں طعنت تھی.....

کیا.....

رابعہ نے تم سے التجا کی تھی کہ اسے بچالو۔ تمہیں یاد ہو گا تم نے رابعہ کو

کیا جواب دیا تھا.....

انور تڑپ سا گیا۔ آہستہ سے بولا۔

تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ تمہیں بالکل علم نہیں کہ انور نے رابعہ کے لئے کیا

بندھ تھا۔

میں تم سے صرف ایک بار ملنا چاہتی ہوں انور بابو صرف ایک بار۔ جانتی

ہوں تم کیا ہو..... تمہیں اس بازار میں نہیں آنا چاہتے..... مگر صرف ایک

بار..... رابعہ کے لئے نیلیم کے کونٹے پر آجانا انور بابو..... پھر کبھی نہ بلاؤں

گی..... میری التجا ہے..... میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گی۔ اور یہ کہتے

ہوئے وہ پینو کے ساتھ ہال کے اندر چلی گئی۔ پینو نکٹ لے رہی تھی اور اس

کی نظریں اب تک باہر تھیں۔ ٹیکسی پر کچھ سواریاں بیٹھ گئیں اور انور انہیں

لے کر چلا گیا تھا۔

پینو نکٹ لے آئی تو وہ سوچ میں کھوئی ہال کے اندر چلی گئی۔

رات مجرے سے لوٹی تو وہ بری طرح تھکی ہوئی تھی.....

اکثر یہ ہوا کرتا کہ وہ سارا دن سوئی رہتی لیکن آج اسے نیند نہیں آ رہی تھی.....

دل میں امید تھی..... شاید انور آجائے۔

آج کئی سال بعد بھی انور کے لئے ویسا ہی جذبہ تھا اس کی دل میں۔ حالانکہ

اب اس کا انور پر کوئی حق نہیں تھا.....

وہ غیرت والا شریف آدمی ہے.....

اور وہ خود جو راجہ سے کئی بیٹی اور اب نیلم بن کر صرف راستے کا میلہ غبار

تھی۔ اس نے سوچا اتنے سالوں کا وقفہ..... ان دو کٹنا روں کے بیچ اپنی زندگی کا

طوفانی دریا بہا ہے۔ اس کنارے پر مجھے تم ملے تھے۔ تمہیں میں نے دل ہی دل

میں اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔ تمہارے خواب پلکوں پر سجائے تھے۔ لیکن تمہاری

رفاقت مجھے نہیں ملی۔ میں بزدل بھی تھی.....

اور اب.....

اب تو میرے اور تمہارے درمیان ایک پختہ اور ناقابل عبور دیوار

ہے.....

تم یہاں آتے ہوئے ڈرتے ہو۔ کیوں کہ میری گھیاں رنگ برسنگے ہاروں

اور قمقموں سے سجی ہوئی ہیں۔

تم ٹھیک سوچتے ہو..... تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے۔ اس لئے کہ تم مرد

لوگ کسی کا درد کیا جانو..... تمہیں کیا پتہ کہ درد کا ایک بیکراں سمندر اب بھی

پری آنکھوں میں موجیں مارتا ہے۔

تمہیں کیا پتہ۔ میں نے وہ پل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک خوبصورت تہلی کی

طرح مٹی میں بند کر رکھا ہے۔ جب تم نے مجھے چاہت کی نظروں سے دیکھا

نہا.....

وہ بڑی بے چین..... اپنے جذبات کو روکے اس کا انتظار کر رہی

تھی.....

اپنے بکھرے ہوئے خیالوں کو لفظوں کے سانچے میں ڈھال کر جملے بنا رہی

تھی..... کہاں سے بات شروع کروں گی..... کس طرح ماضی کے چرے سے

قالب اٹھا کر حال کی تصویر پیش کروں گی..... وہ آئے گا تو اس سے کہوں گی

کیا.....

دروازے کا پردہ ہلا..... اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن دیر تک کوئی اندر نہ

آیا۔

تو اس نے جھانک کر دیکھا..... دروازے کے پیچھے معمولی سی چپل میں

دھول سے اٹے ہوئے تھکے تھکے سے پاؤں کو اس نے پہچان لیا.....

یہ پاؤں..... کئی بار اس کی ساتھ مکشاں کی سیٹریوں تک گئے ہیں اس

لئے اسے آواز دینا چاہی لیکن گلہ رد نہ کیا۔

آئیے انور بابو.....

وہ اندر آیا.....

آصف بھائی بن کر ملہ تھا لیکن اس بھائی نے میرا سودا کر دیا۔ میں اس کے ساتھ اس لئے آئی تھی کہ وہ مجھے کہیں کام دلوا دے گا اور میرے ابا کو میرے پاس لے آئے گا اور پھر پھر انور بابو میں کتنی بکاتی یہاں پہنچ گئی اب میں اپنے اندر نہیں جھانکتی۔ اپنی ذات سے کچھ نہیں پوچھتی کبھی نہیں سوچتی کہ رشتے کیا ہوتے ہیں۔ بلندیاں اور پستیاں کون سی ہیں اور نہ ہی میں نے کبھی آنے والے زمانے کے بارے میں سوچا ہے۔ جو کچھ ہو جائے ٹھیک ہے جو کچھ مل جائے غنیمت ہے زندہ رہوں یا مر جاؤں۔ ایک ہی بات ہے۔ احساس مر گیا ہے۔

رابعہ انور تڑپ سا گیا

رابعہ ہوں کئی ہوں یا نیلم کچھ پتہ نہیں کون ہوں، کیا ہوں، یہاں رقص و سرور کی محفلیں جمتی ہیں، مدہوش بکے بکے سے لوگ آتے ہیں، کوئی میری تعریف کرتا ہے۔ کسی کو میری آواز پسند ہے۔ کوئی میری آنکھوں کا شیدائی ہے ان کی تعریف سے میں خوش ہوتی ہوں یا خفا مجھے یہ بھی پتہ نہیں

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے تھے

انور خاموش بیٹھا تھا

انور بابو میں تو اپنی ہی باتیں کرنے لگی۔ یہ تو بتاؤ تم کیسے ہو۔

تمہارے گھر میں تو خیریت ہے نا سب خوش ہیں

اس کی چہرے پر جلال تھا
اور نیلم کی نظروں نے اس جلال کی دل ہی دل میں میٹھی سی پتھن محسوس کی
بائی جی مہمان تشریف لائے ہیں
اس کا نوکر دور سے بولا
اس فخرے نے انور کا رنگ بدل دیا
وہ اس کی ساتھ ہی اس کے کمرے میں آ گیا
دونوں خاموش تھے لیکن دلوں کے اندر طوفان کے جھکڑ چل رہے تھے
تم کہاں آگئیں رابعہ
بڑی دیر بعد انور بولا
قسمت لے آئی انور بابو ورنہ میرے تو تصور میں بھی ان جگہوں کا نام تک نہیں تھا مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ دنیا میں ایسی جگہیں بھی ہوتی ہیں۔

وہ روندھی ہوئی آواز میں بولی
تم مرا تیں رابعہ لیکن یہاں نہ آتی
انور بابو میرے ساتھ دھوکا ہوا میں نورے سے بچ کر یہاں آئی تھی۔ مگر یہاں تو ہر جگہ ہر موڑ پر ہر راہ میں نورے بے تے ہیں۔ مجھے

خدا کے لئے انکار نہ کرنا۔ مجھے ایک خوشی کا لمحہ مل جائے گا۔ اگر تم میری
بات مان لو گے انکار نہ کرنا
اس کے لیے میں التجا تھی بے چارگی تھی
یہ تم کیا کر رہی ہو
میری بات مان لو انور
اس کی آواز بھر گئی
نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا انور نے ایک نظر اس کی طرف
دیکھا

اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا
رومال میں بندھے ہوئے زیور اور روپے نیلم کے ہاتھ میں پکڑے رہ
گئے

وہ تھکے سے انداز میں وہیں بیٹھ گئی
وہ چلا گیا تھا سب کچھ ٹھکرا کر
اس کی آنکھوں میں آنسو ڈھلک آئے

اسی لمحے رضا اندر آیا وہ ابھی سکول سے آیا تھا۔ خاموش سا اس کی
قریب ہی بیٹھ گیا۔

کیا ہوا رضا
کچھ نہیں جی وہ اسکول کے لڑکے لڑ پڑے تھے۔

ہاں ہاں سب ٹھیک ہیں۔

انور کھویا کھویا سا بیٹھا تھا

انور خاموش سا بیٹھا تھا

کوئی بات کرو انور بابو

وہ مسکرا کر بولی

انور کی آنکھوں کے ڈورے سرخ سرخ سے ہو گئے تھے۔ تمہارے سر کا
بوجھ ہلکا ہو آیا نہیں

وہ آہستہ سے بولی

میں ابھی تک ویسا ہی ہوں۔ کسی کے لئے کچھ نہ کر سکا۔

انور نے کہا

انور بابو ادھر آؤ

وہ اسے الماری کے پاس لے گئی۔

بست سے زیورات اور نوٹوں کی گڈیاں رومال میں باندھیں۔

اور انور کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

میں بست بری عورت سی۔ مگر یہ سب کچھ بست بڑی قربانی اور قیمت دے

کر مجھے ملا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ بخدا اس میں کوئی

لاچ کوئی صلہ میں نہیں چاہتی۔ صرف اس لئے اس لئے کہ میرا دل چاہتا

ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں۔ یہ لے جاؤ انور بابو

رضا آہستہ سے بولا

کیوں

بس انہوں نے آپ کی بارے میں ایک عجیب سی بات کر دی تھی میں نے
برداشت نہیں کی

رضا کا چہرہ سرخ ہو گیا

رضا تم لڑا جھگڑا نہ کرو اگر کوئی کچھ کہے تو بس یوں گزر جایا کرو جیسے
تم نے کچھ نہیں سنا۔

نیلیم بولی

رضا خاموش ہو گیا

جاؤ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو اور ہاں تھوڑا سا آرام کر لو۔ پھر خان
صاحب آجائیں گے۔

آج میں ستار نہیں بجا سکتا میڈم

رضا بولا

کیوں

میری انگلیاں زخمی ہو گئی ہیں۔ مہربان اٹکتا نہیں

رضا اپنی انگلی دکھا کر بولا

تو ٹھیک ہے کچھ دن ستار کے بغیر ریاض کر لو

نیلیم بولی

رضا جانے لگا تو نیلم نے پھر پکارا

رضا میں دیکھ رہی ہوں تمہاری گانے سے دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے میری
ایک بات پلے باندھ لو محنت سے گانا سیکھو گے۔ تو ایک دن بہت بڑے
فکار بن جاؤ گے اور اگر تم نے بے دلی دکھائی تو پھر یہ سب ابھی سے چھوڑ
دو

رضا خاموش تھا

بولو نا محنت کرو گے نا

نیلم نے پوچھا

جی

رضا بولا

تو جاؤ کھانا کھا لو اور پھر سیدھا اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ میں
یہاں کے لوگوں سے تمہاری دوستی کو پسند نہیں کرتی فارغ وقت میں کتابیں
پڑھا کرو میں نے تمہارے لئے کتنے میگزین لگوائے ہیں۔ وہ یونہی پڑے
رہتے ہیں اور تم اوپر چڑھ کر پتنگ اڑاتے رہتے ہو۔

جی مجھے پتنگ اڑانے کا بہت شوق ہے ایک روز میں آذان دے رہا تھا کہ
ایک پتنگ میرے قریب آکر رکی تو میں بس اس روز مجھے مولوی صاحب
نے بہت مارا تھا! مگر مجھے بڑا اچھا لگتا ہے۔ جی پتنگ اڑانا

ٹھیک ہے کل سے میں تمہارے ساتھ چھت پر پتنگ اڑاؤں گی۔

دو آدمیوں کے ساتھ وہ اوپر آگیا.....

اچھا تو یہ ہے نیلم.....

نیلم کو وہ شاہ بلوط کے تنے کی طرح مضبوط نظر آیا۔ پہلوان کی طرح کسرتی جسم سرخ سرخ آنکھیں۔ خرفناک سی مسکراہٹ۔

بیٹھ جاؤ.....

نیلم نے کہا.....

تیری بڑی تعریف سنی ہے اود دیکھ فکر نہ کرنا۔ کسی موقع پر بھی میری ضرورت پڑے تو بندہ بھیج کر بلوا لیتا۔ پچھلا حساب میں نے معاف کیا لیکن آج کے بعد میری پتی ہے سمجھ گئی نا.....

وہ انس کر بولا.....

سمجھ گئی..... نیلم انس کر بولی.....

لڑکی سمجھ دار ہے۔ جگہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا.....

کیا بات ہے پہلوان..... پڑھائی لکھائی کا یہ ہی تو فائدہ ہے کہ اونچ نیچ

سمجھ میں آجاتی ہے اب اس کی جگہ کوئی جاہل گنوار ہوتی تو اکڑ جاتی.....

دوسرا آدمی بولا.....

اکڑ جاتی تو میرا کیا لیتی۔ گردن اکھاڑ کے پھینک دیتا۔

جگا ہنسا.....

کتنے کا نام لگ جاتا ہے تمہارا.....

جگہ نے پوچھا.....

یہی ہزار پانچ سو کا.....

نیلم لاپرواہی سے بولی.....

اچھا.....

جگہ کی آنکھیں پھیل گئیں..... اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا.....

لے بہی یہ توج بھی بولتی ہے۔

پہلوان جی..... آج تک کسی بالی نے سو ڈیڑھ سو سے زیادہ اوور ٹائم

بُھے نہیں بتایا.....

تو کیا میں نہیں جانتا.....

جگہ نے اپنے ساتھ کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا.....

ہاں ہاں تم بس جانتے ہو.....

بس یہ تو رانی لگتی ہے..... اس کے ہم بھی غلام ہیں۔

سمجھ گئے نا.....

جگہ نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور نیچے اتر گیا.....

یہ کیا کہہ رہا تھا پینو.....

نیلم گھبرا کر بولی.....

یہ تو اس کی عادت ہے۔ خوش ہو جائے نا تو یونہی کیا کرتا ہے۔ وہ شادو ہے

نا اونچے محلے والی۔ وہ مرتی ہے اس کے لئے۔

اچھا.....

نیلیم کو حیرت ہوئی کیونکہ شادو دھان پان سی خوبصورت لڑکی تھی اور جگا اونچا، لمبا چوڑا اور قد آور تھا۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جو کبھی جھک نہیں سکتا۔ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

ہاں ہاں..... جان دینے کو پھرتی ہے، پینو ہنسی، کننے لگی شادو کہتی تھی کہ اسے گنگے کا اکیلا پن پسند ہے جیسے شیر جنگل میں اکیلا گھومتا ہے..... کما کرتی ہے اسے گنگے کی گالیاں پسند ہیں۔ اور اس کی وحشی قوت اور ساری دنیا سے ٹکر لینے کی آرزو اور چیزوں کو توڑنے پھوڑنے کی خواہش اور اب تو نیلیم وہ بھی اس خواہش میں شامل ہو گئی ہے..... اور حیرت کی بات یہ ہے کہ گنگے نے کبھی اسے چھوا تک نہیں۔ بس خاموش بیٹھ کر دیکھے جاتا ہے..... اس کا خیال ہے کہ شادو ایک کانچ کی خوبصورت صراحی کی طرح نازک اور حسین ہے اور اگر گنگے نے اسے چھو لیا تو وہ ایک چھٹاکے سے ہزاروں ٹکڑوں میں ٹوٹ جائے گی۔

نیلیم آہستہ سے ہنسی.....

کسی دن ملواؤں گی تمہیں بس دن رات اسی کا ٹکڑہ پڑتی ہے۔ اسے ملنے جیل میں بھی جاتی رہی ہے۔

پیار کرنے لگی ہوگی نا.....!

نیلیم کھوئی کھوئی سی بولی.....

ہاں بہت.....

خال صاحب آگئے۔ رضا حسن کو نیچے بلوایا۔ وہ ریاض کر رہا تھا اور اس کی زبصورت آواز سن کر نیلیم کی آنکھیں بھر آئیں۔

ہیروئین میں ہونی چاہیں۔ بس انہیں اس کے لئے مناسب کہانی کی تلاش تھی اور آج ہی جو کہانی انہوں نے سنی تھی۔ اس میں نیلم کے سوائے کوئی فٹ نہ ہوتی تھی۔

لہذا چند دوستوں کے ساتھ نیلم کے ہاں چلے آئے۔
نیلم اسی طرح چلی آئی
تشریف لائیے وہ خوشدلی سے بولی
بس نیلم جی قسمت جاگ اٹھی آپ کی
دوسرا آدمی جو اقبال کے ساتھ آیا تھا بولا
نیلم مسکرا دی اور بولی چائے یا ٹھنڈا
کچھ نہیں
اقبال بولے
کچھ تو ہو جائے
نیلم نے کہا
میں ذرا جلدی میں ہوں بس کل سے گاڑی آجائے گی آپ کو لینے۔
آپ کا سکرین ٹیسٹ لینا ہے۔ اور ٹیلر کو ناپ وغیرہ دے دیجئے۔
اقبال بولا
زہے نصیب
نیلم ہنسی
☆

ڈریم لینڈ فلم پروڈکشن اس دور کی سب سے سپر ہٹ فلموں کی خالق تھی۔
اقبال اس کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر تھے۔

سارا دن فلموں کے شوقین لڑکے لڑکیاں اس پروڈکشن میں چانس لینے کے لئے مارے مارے پھرتے۔

ڈریم پروڈکشن کی کوئی فلم ریلیز ہوتی تو کٹ مٹنے بہت مشکل ہوتے۔ شہر میں اب تک اس ادارے کی فلمیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ فلمیں ایک سینما میں سال سال چلتیں اور برابر رش لیتیں۔ ان کی کوئی فلم ایسی نہ تھی جس نے گولڈن جوبلی یا سلور جوبلی نہ کی ہو
اس لحاظ سے اقبال بہت اہم آدمی تھے۔ ان کی نظر کرم جہاں پڑ جائے اسی کے نصیب جاگ اٹھتے تھے۔

اقبال اپنے کسی عزیز کی شادی میں نیلم کو دیکھ چکے تھے اسی وقت انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ نیلم میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھی

مگر ایک بات کر لیں اقبال صاحب۔ پانچ فلمیں آپ کی ہوں گی اور بعد میں دوسرے پروڈیوسرز کی باری آئے گی یہ شرط لازمی ہے

دوسرا آدمی بولا

مجھے منظور ہے

اقبال چلے گئے

تو نیلم سوچنے لگی میں جو چاہتی نہیں وہ بھی ہو جاتا ہے

یہ خبر جب محلے میں اڑی تو اسے مبارک باد کے پیغام آنے لگے

مگر اس کی اپنے لئے یہ خبر خوشی کا باعث تھی یا نہیں یہ اسے اب تک سمجھ

نہ آسکی تھی۔

بحر حال یوں وہ کوٹھے سے کوٹھی میں آگئی، شرکی اونچی سوسائٹی کے لوگ

جہاں رہتے تھے اس نے بھی ایک وسیع کوٹھی حاصل کر لی اور وہیں رہنے لگی۔

رضا حسن اس کے ساتھ تھا



فلمی دنیا بھی کچھ عجیب سی تھی یہاں لوگوں کی بہت سی قسمیں

نہیں۔

کچھ لوگ بہت اچھے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صرف عیش و

لذت کے لیے اس لائن کو اپنائے ہوئے تھے۔

خوشامد اور جھوٹ قدم قدم پر ان لوگوں کے ساتھ تھا

کچھ لوگ بس صرف خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے اسی لائن میں بوڑھے ہو گئے

تھے۔

اقبال نے اس کا نام تو تجویز کیا تھا تب وہ ہر جگہ میڈم نوری مشہور ہو

گئی

فلمی رسالے اس کی تصویروں سے آباد نظر آنے لگے وہ واحد ہیروئین

انہ جس کے ساتھ روایتی قسم کی ماں یا نانی نہیں تھی

اس کا اپنا انداز اتنا نپا تلا تھا کہ فضول قسم کے لوگوں کو اس کے قریب

آنے کی جرات نہ ہوئی۔

وہ جب اسٹوڈیو آتی اپنے میک روم میں بیٹھی۔ اسکرپٹ لے کر اپنے پارٹ میں کھوئی رہتی اور جب شوٹنگ شروع ہوتی تو ہمیشہ پہلا شاٹ ہی اقبال صاحب کو اوکے کرنا پڑتا اس لئے اقبال اپنی اس دریافت سے مطمئن تھے.....

دوران شوٹنگ کئی لوگ اس سے فری ہونے کی کوشش کرتے۔ وہ ہنسی بولتی۔ ہر ایک بات کا جواب بھی موزوں انداز میں دیتی مگر دل میں کیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس کے ساتھ فلم میں اس دور کا مشہور ہیرو نعیم کام کر رہا تھا نعیم نے کئی مرتبہ اسے دعوتیں دیں اسے ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ بیڑی خوش اسلوبی سے ٹال گئی۔

دل مانتا تو ضرور چلی جاتی مگر دل پر بس نہیں تھا۔ شوٹنگ سے تھکی ہاری آتی تو رضا حسن سے باتیں کرتی رہتی اس کی فلم ریلیز ہونے میں چند روز ہی رہ گئے تھے۔ اس لئے وہ فکر مند نہ تھی کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ پہلا فلم فلاب ہو جائے تو بہت سے متقدروں کو جانے ہیں۔ اپنے لئے نہیں لیکن اقبال کے لئے اس کی دعا تھی کہ یہ فلم ہٹ ہو کیونکہ اس نے بڑی محنت کی تھی
.....

قلم کیا ہٹ ہوئی نوری کا مقدر بدل گیا
.....

جس دن اس کی فلم ریلیز ہوئی۔ اسی روز پروڈیوسروں کی لائن لگ گئی اس کی کوٹھی پر لیکن اس نے اپنا کارمختار اقبال صاحب کو بنایا اور اقبال تھے بھی بہت اچھے انسان۔ انہوں نے فوراً اچھی پارٹیوں کی فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دی
.....

یہ دن نوری کی زندگی کا اہم دن تھا۔ آج ہی اس نے پانچ نئی فلمیں سائن کی تھیں جن میں اس کا ساتھ چوٹی کے ہیرو دے رہے تھے۔

وہ مصروف ہوتی گئی دن رات شوٹنگ طرح طرح کے روپ اظہار کا موقع ملا تو دل کا سارا درد اسی راستے سے بہہ نکلا۔ اور وہ ملکہ جذبات بن گئی۔ آج کل اس کے پاس بہت سارے نوکر تھے۔ ڈرائیور، خاناسال، چوکیدار، مالی، ڈریس ماسٹر، ہیر ڈریسر۔

خود کوئی کام نہ کرنا پڑتا ہر چیز تیار مل جاتی۔ رضا حسن بھی اب خوب گانے لگا تھا۔ وہ اپنے کام میں بڑی محنت کر رہا تھا اور نوری برابر اس کے حوصلے بڑھا رہی تھی۔ شوٹنگ سے تھکی ہاری آتی لیکن رضا حسن کے پاس بیٹھ کر سارے دن کا حال ضرور پوچھتی۔ اس سے باتیں کرتی۔ اس کی طرف سے مطمئن تھی اور خوش

بھی کہ رضا کی زندگی بن جائے گی۔

بہت سارے اچھے اچھے سے جذبے تھے رضا کے لئے۔ اس کے دل میں اور رضا بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

آج کل وہ بہت خوش تھی۔ یہ زندگی اسے پسند آگئی تھی۔ اور بہت جلد اس نے اس زندگی کو اپنا بھی لیا تھا۔ وہ اس میں رچ بس گئی تھی یہ فلمی دنیا بھی بس عجیب و غریب تھی اس کے یہاں بھی بہت سے عاشق تھے۔ جو اس کی شوٹنگ کے دوران چکر لگاتے رہتے۔ کوئی شاپنگ کا مشورہ دیتا۔ کوئی دولت کی چمک دکھاتا اور کوئی زندگی بنانے کی گارنٹی جب میں لئے پھرتا۔

اس کے ان عاشقوں نے بہترین سوٹ زیب تن کئے ہوئے ہوتے ان کے بوٹ آئینے کی طرح چمکتے۔ کسی کے منہ میں سگار اور کوئی اعلیٰ سگریٹ پیتا۔ ان کے ہاتھ ہلا ہلا کر چلنے سے جگنو کی طرح دیکھتے یہ شاید ان کی انگلیوں میں پڑی ہوئی ہیرے کی انگوٹھیوں کی لو ہوتی۔ اس کائنات کی عورت جو فلموں میں بیرومین ویپ یا ساتھی اداکارائیں ہوتی۔ خوبصورت اور طرہ دار تھیں۔ ان ساری عورتوں کو دولت کا کریز جنون کی حد تک تھا۔ ان کی پوشاک کا کپڑا دلاتی۔ ان کے جوتے پیرس کے بنے ہوئے ہوتے۔ ان کی گھڑیاں سونٹولینڈ کی صناعتی کے بہترین نمونے۔ ان کے پرس شگاکو کی فرموں میں تیار ہوتے اور ان کی انگلیوں میں بنیم کے ہیرے ہوتے۔

یہ اپنے ملک کی نمائندگی کرنے باہر کے ملکوں میں جاتے تھے۔ یہ پھر ان کا

کمال تھا کہ کسی طرح مزاحمت یا کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ملک کے اور بیرون ملک کے لوگوں کی خدمت کسی نہ کسی طرح کر لیا کرتے تھے۔ ایک روز شوٹنگ کے دوران اس نے جگے کو دیکھا۔

اسے دیکھ کر وہ اس کے قریب آگیا

بہت نام پالیا تم نے

جگا اس کی قریب آکر ہنسا

اللہ کا کرم ہے میں کس لائق ہوں۔

وہ آہستہ سے بولی

میں نے بھی وہ دھندہ چھوڑ دیا ہے

جگا بولا

اچھا ! اب کیا کرتے ہو

نوری نے پوچھا

جب طوائف بڑا نام پالیتی ہے تو وہ ایکٹریس بن جاتی ہے اور جب ہم جیسے لوگ دولت مند ہو جاتے ہیں تو وہ سمگلر ہوتے ہیں یا چرس افیون کا کاروبار کرتے ہیں۔

جگا ہنس کر بولا

کیا مطلب؟

نوری نے پوچھا

اور بولی اچھا گلے خدا حافظ
خدا حافظ ! مگر یہ خیال نہ کرنا کبھی کہ دنیا میں تیرا کوئی نہیں۔ ایمان سے
کبھی آواز دے کر دیکھنا۔

جگا زور سے بولا اور نوری مسکرا کر سیٹ کی طرف چل دی۔

وہ سوچ رہی تھی
بعض اوقات جنہیں ہم ٹھکرا دیتے ہیں۔ کتنے اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ اپنی

تمام تر بد صورتیوں کے باوجود کتنے خوبصورت لگتے ہیں ایسے لوگ۔ جگا بھی ایسا ہی
آدی تھا
جس کا دل خوبصورت تھا سوچ میں کھوئی ہوئی وہ شارٹ دینے لگی۔

مطلب یہی کہ جس اور انیون جیسی بیکار چیزوں سے کروڑوں روپے
کھاتے ہیں۔ سونے چاندی اور ہیروں کا کاروبار کر رہا ہوں آج کل۔
سنگے یہ کام چھوڑ دو یہ ملک کے ساتھ دشمنی ہے۔
نوری دکھ سے بولی۔

ہونہ اپنی جان مصیبت میں ڈال کر اس ملک میں سستی چیزیں لاتے
ہیں۔ ارے رانی۔ اگر ہم لوگ نہ ہوتے تو ملک اتنی بلندی پر کبھی نہ جاتا جتنا اب
ہے۔ ہزاروں چھوٹے موٹے لوگ اسی کاروبار کی بدولت روزگار کھاتے ہیں۔ اگر
وہ سب بیکار ہو جائیں تو ملک کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دیں گے۔
آج کل تم بھی تو اونچی اڑ رہی ہو میں نے جب سنا ایمان سے بڑی
خوش ہوئی
شادی کر لی تم نے یا نہیں نوری نے پوچھا
کی تھی سنگے کی آنکھوں میں دھواں سا پھیل گیا
کیوں؟
تمہیں پتہ ہے نا جان دیتی تھی وہ مجھ پر جس روز میں نے اس سے
نکاح کیا۔ اسی صبح وہ خوشی سے مر گئی جگا آہستہ سے بولا اوہ
نوری کو پتلی دلی لڑکی یاد آگئی
میڈم شاٹ ریڈی ہے
اسٹنٹ نے اسے آکر بتایا تو اس نے سنگے کی طرف دیکھا۔

وہ آج بہت تھک گئی تھی۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔

رضا حسن اپنے کمرے میں تھا کھانا دونوں نے اکٹھے ہی کھایا تھا وہ
نوم کے چکھیلے پلنگ پر لیٹنے ہی والی تھی کہ باہر کچھ آوازوں کا شور بڑھ گیا

کون ہے اس نے اندر آتی ہوئی ملازمہ سے پوچھا۔

ایک عورت ہے جی ساتھ بچے بھی ہیں کہتی ہے آپ سے ملنا

ہے چونک کر روک رہا ہے اور وہ عورت شور کر رہی ہے۔

ملازمہ بولی

جاؤ دیکھو کیا چاہتی ہے اگر کچھ مانگتی ہے تو اسے دو اور یہ شور بند کر دو میں

سونا چاہتی ہوں۔

نوری نے کسی قدر بیزاری سے کہا

ملازمہ چلی گئی لیکن شور اور بڑھ گیا۔ وہ عورت اندر آنے پر بضد

تھی

ملازمہ نے پھر آکر اطلاع دی کہ وہ عجیب قسم کی عورت ہے۔ کہتی ہے کہ

میں راجہ کی ماں ہوں

نوری ایک دم چونکی چہرہ لال ہو گیا اور پھر آہستہ سے

بولی

اسے اندر لے آؤ

کچھ ہی دیر میں رشیدہ بچوں کے ساتھ اندر آگئی



شام ڈھل گئی تھی۔ فضا کچھ گرو آلود سی تھی۔ سارا دن تیز و تند ہوا چلتی
رہی تھی

وہ ابھی ابھی شوٹنگ سے آئی تھی اور سیدھا ہاتھ روم میں چلی گئی۔

دیر تک گلیسرین سوپ کے ملائم جھاگ کو پورے جسم پر ملتی رہی۔ نہانے

سے کچھ تھکاوٹ دور ہوئی

ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی جب وہ بالوں میں برش کر رہی تھی۔ تو اسے

بہت پرانا ایک آئینہ یاد آگیا دھول میں اٹکا ہوا جگہ جگہ سے چٹکا ہوا

آئینہ جو اس نے رشیدہ کی آنکھ سے بچا کر کوٹھری میں چھپا رکھا تھا اور جسے نکال کر

وہ کبھی کبھی اپنا چہرہ دیکھتی تب وہ راجہ تھی معصوم اور دنیا سے بے

خبر راجہ

نمراب ساتھ ہی اس کی نظر اپنے ڈرائنگ ٹیبل پر گئی۔ جس پر

مختلف قسم کے کاسٹکس سینٹ اور گلوں کی خوبصورت بوتلوں کا ڈھیر لگا تھا۔

اسے دیکھ کر وہ اس سے پلٹ کر رونے لگی اور زور زور سے بین کرنے لگی اے رابعہ ! کہاں سے لاؤں گی، تمہارے ابا کو وہ تیری صورت کو ترستے رخصت ہو گئے تھے۔ تیرا غم کھا گیا انہیں رابعہ میں نے ساری دنیا جہان ماری تمہارے لئے۔

نوری نے آہستہ سے رشیدہ کو الگ کیا اور بولی

اس طرف بیٹھو اماں

اے بیٹی اماں تجھ پہ قربان ہو تجھے تو دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں

رشیدہ جلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی

کیسی ہیں آپ

نوری سارا کرب چھپا گئی

کیا پوچھتی ہو بیٹی در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں۔ تیرے ان چھوٹے چھوٹے ہن بھائیوں کو لے کر کبھی اس دروازے اور کبھی اس دروازے تیرے ابا کی یہ وقت موت نے مجھے کہیں کا نہ رکھا بیٹی۔ میں تیرے پاس اس لئے آئی ہوں کہ ایک مرتبہ تجھے سینے سے لگا کر اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لوں۔ مجھے معاف کر دو رابعہ میں نے تیرے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں۔

رشیدہ رو کر بولی

نوری کی آنکھیں بھر آئیں وہ آنسو پی گئی کہنے لگی۔

آپ ایسی باتیں نہ ہی کریں تو اچھا ہے میں ساری باتیں بھول چکی ہوں میں رابعہ نہیں ہوں نوری ہوں اس لئے میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں اقبال احمد کی بیٹی رابعہ تو اسی دن مر گئی تھی جب آپ وہاں پایہ کر آئی تھیں بہر حال یہ بچے یہ میرے باپ کی نشانیاں ہیں میں ان کے لئے آپ کو پچاس ہزار روپیہ دے رہی ہوں روپیہ لیجئے اور جا کر ان کی پرورش کیجئے اور پھر پلٹ کر میری طرف کبھی نہ آئیے گا۔

رشیدہ خاموش بیٹھی آنسو بہاتی رہی

نوری نے جا کر سیف سے روپے نکالے اور رشیدہ کی جھولی میں ڈال کر

بولی خدا حافظ

نوکرانی کو بلا کر کہا

جا کر انہیں کھانا وغیرہ کھلاؤ اور ڈرائیور سے کہنا انہیں گاڑی پر سوار

کروائے۔

نوری نے بچوں کو دیکھا جو سسے سسے کھڑے تھے۔

رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے تو اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہن

بھائیوں کو سینے سے لگایا

اور پھر دوسرے کمرے میں چلی آئی

رشیدہ آئی بھی اور چلی بھی گئی مگر وہ آکر اسے پھر سے سب کچھ یاد

دلا گئی تھی

اس لئے وہ آج بڑی اداس تھی شام کو کسی فنکشن پر جانا تھا۔ وہاں
 بھی نہ جاسکی
 بس سارا دن منہ لپیٹے پڑی رہی



پتھر کے صنم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ پر اسے پہاڑ پر جانا پڑا
 یہاں آکر اس کا بچپن ہمک آیا
 وہی اونچی نیچی گلیاں وہی سب کچھ چاروں طرف پہاڑ ہی
 پہاڑ وہی دل جمیل کی نیلگوں سطح جو پھیل کر پہاڑوں کے دامن سے تکرار
 رہی تھی۔
 جب وہ ان راہوں سے گزر رہی تھی تو اسے لگا جیسے وہ کئی برس پیچھے چلی
 گئی ہے اور نانا کی ڈانڈی میں بیٹھی چلی جا رہی ہے۔
 شوٹنگ سے فارغ ہو کر وہ قلم میں کام کرنے والی دوسری آرٹسٹ کے
 ساتھ اس گلی میں چل دی جہاں اس کی نانی رہتی تھی اسے سارا راستہ یاد
 تھا۔ پہاڑی کے دامن میں چھوٹا سا محلہ گلی کے سرے پر آٹے وال کی
 دوکان بھی اسی طرح موجود تھی
 نانی کے گھر میں اب کوئی اور لوگ رہتے تھے۔ یہ لوگ بھی جنگل سے

لکٹریاں کاٹ لاتے تھے۔

بھنگی آنکھوں سے نوری نے سب کچھ دیکھا۔

جب وہ یہاں سے لوٹ رہی تھی۔ تو پہاڑی ندیوں کا سنگیت فضا میں بکھرا

ہوا تھا

کہاں گئی تھیں میڈم؟

پروڈیو سرا سے آنا دیکھ کر بولا

یہاں میرا گھر تھا میری نانی یہیں رہتی تھی اس پہاڑ کے

دامن میں میرا بچپن یہیں گزرا ہے

وہ آہستہ سے بولی

اچھا پروڈیو سر کو یقین نہ آیا

چلے پھرتا رہا ہو جائے ہم تو آپ کا انتظار کر رہے تھے

پروڈیو سر بولا

یہاں کے ڈپٹی کمشنر نے دعوت پر بلایا ہے نا

نعیم صاحب کہاں ہیں؟

نوری نے پوچھا

نعیم صاحب پہاڑ پر آکر کم ہی نظر آتے ہیں یہاں ان کے بہت سارے

مداح ہیں۔ ہوں گے کہیں

پروڈیو سر بفس کر بولا

نوری بھی ہنس دی

ہم یہاں سے کب فارغ ہوں گے۔ کیونکہ پرسوں سے میری ڈیس اقبال

صاحب کے پاس ہیں۔

نوری نے پروڈیو سر سے پوچھا۔

میڈم کچھ ہمارا بھی خیال کر لیں اس آؤٹ ڈور کے بعد اینڈ لگا رہا

دل بچہ کو اقبال صاحب کو میں ٹیلیفون کر دوں گا بس ایک دن کا کام رہ

ائے گا اور اگر یہ کام اب نہ ہوا تو سارے یونٹ کو دوبارہ لانا پڑے گا اور

پچرا اور بجٹ ہو جائے گی۔

دیکھ لیجئے مجھے اقبال صاحب کے سیٹ پر ضرور پہنچنا ہے۔

موسم نے ساتھ دیا تو آپ ضرور پہنچ جائیں گی۔

پروڈیو سر بولا

آپ پرسوں تک کام ختم کر لیں نہ ہو سکا تو دوبارہ آجائیں گے۔ مگر

نبال صاحب کے ساتھ میں وعدہ کر کے آئی ہوں۔

نوری اندر چلی گئی۔

تو پروڈیو سر کہنے لگا بس دو چار فلمیں کیا چلتی ہیں۔ نخرے ہی نہیں

نکلے، اقبال صاحب کی فلم سونے کی ہے کیا اور ہم کیا مفت کام کروا رہے ہیں۔

ادبی شاہ صاحب بس ایسے ہی ہوتا ہے دیکھا کیا جھوٹ بول رہی

نہ کہ یہاں میری نانی رہتی تھی۔

کیا ہم الو ہیں نانی تو جہاں رہتی ہوگی ساری دنیا جانتی ہے۔ شریف بننے کا بڑا شوق رہتا ہے، جسے دیکھو آئی ہیرا منڈی سے اور انٹرویو دیتے ہوئے کتنی ہیں۔ جی مجھے تو ڈاکٹر بننا تھا مجھے تو یکجہاں رہنا تھا۔

پروڈیو سر کا چچہ بولا

پروڈیو سر نے قہقہہ لگایا اور بولا میاں پیسہ آجاتا ہے نا تو پھر یہی ہوتا ہے ستارہ کو جانتے ہوتا لکھنؤ کی کنگن بائی کی بھیجی ہے۔ اب کتنی ہے جج کی بیٹی ہوں اور وہ قسیم کڑوے تیل کا دیا جلا کر بیٹھتی تھی آج پورا خاندان سنور گیا تو کتنی ہے کہ نواب کی بیٹی ہوں، سنتے جایا کرو میاں

ہمارے ہیرو حضرات کیا کم ہیں یہ سیف ہے نا ایمان سے کپڑا لے کر گاڑیاں صاف کیا کرتا تھا اور آج کئی گاڑیوں کا مالک ہے ایمان سے پروڈیو سروں کو بڑا تنگ کر رکھا ہے اس نے۔ شوٹنگ پر آتا ہے بس تھوڑی دیر کے لئے۔ اس کے بعد کسی نہ کسی کام کا بہانہ کر کے نکل جاتا ہے اور پوری کاسٹ بیٹھ کر اس کی جان کو روتی ہے۔

میں نے تو اسی لئے فیم کو ہیرو لیا۔ فیم میں یہی بات اچھی ہے۔

فیم کی بھی جانے دو شاہ صاحب۔ اس کو جوئے اور شراب سے فرصت نہیں۔ ادھر شارٹ ریڈی ہوتا ہے ادھر وہ رمی جڑنے کا انتظار کرتا ہے۔

تاش تو بس جیب میں لئے پھرتا ہے۔

سنا ہے پتے لگانے کا ماہر ہے۔

پروڈیو سر نے پوچھا

کسی دن پھنس نہ جائیے گا۔ بڑا استاد ہے

دیکھو بھی میڈم تیار ہوئیں یا نہیں ڈی سی صاحب کے ہاں دعوت پر نہ گئے تو صبح جنگل میں شوٹنگ کی اجازت نہیں ملے گی۔

پروڈیو سر کی بات سن کر اسٹنٹ میڈم کے کمرے کی طرف گیا۔ جو ان دونوں کی ساری گفتگو سن چکی تھی۔

اس نے دعوت پر جانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگی میری طبیعت خراب ہے اور دروازہ بند کر دیا۔

اسٹنٹ جب باہر آیا تو بہت پریشان تھا اور جب یہ خبر اس نے پروڈیو سر کو سنائی تو وہ بھی نوری کو کو سننے لگا۔ نوری کی وجہ سے اس نے یہاں کئی کام بنانے تھے مگر وہ تو کمرہ بند کر کے سو رہی تھی۔

دہرائے پڑیں۔

حالانکہ ان دونوں وہ خوش تھی مطمئن تھی اس زندگی میں وہ رنج بس گئی تھی اپنے غم اپنے دکھ اس نے آرٹ میں سودیئے تھے کسی المیہ سین کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے کئی بار آنسو بہائے تھے۔ رومانی سین میں الجھ کر اس نے جذبات کا اظہار بھی کیا تھا ساج کی ٹھیکیداروں کے خلاف لمبے لمبے ڈرامے بولنے والے سین کرتے ہوئے اس کے دل کا غبار بھی نکلتا تھا

مگر یہ یادوں کا سلسلہ جب سر اٹھاتا تو وہ بے چین ہو جاتی۔
آج کل اس پر جان دینے والے بہت سے بہت سے لوگ اس کی محبت کے خواہشمند تھے
کوئی شادی کا پیغام دینے کو بے قرار اور کسی کی نیند اس کی وجہ سے اڑی ہوئی تھی کوئی خودکشی کرنے کی دھمکی دیتا تھا مگر یہ عجیب اتفاق ہے

جو کچھ اس کے دل میں میلے کپڑے پہنے ہوئے۔ الجھے الجھے بالوں والے پریشان پریشان انور کے لئے تھا ان چمکتے ہوئے شاندار لوگوں کے لئے نہیں تھا۔
کئی خوش پوش اور امیر لوگ اس سے تعلقات برعہانے کی کوشش میں تھے لیکن اس نے کبھی کسی کو لفٹ نہ دی۔

ایک شان بے اعتنائی سے روزانہ انہی لوگوں کے ساتھ وہ رمی کھیلتی،



یادوں کی اپنی دنیا ہوتی ہے۔ اپنی ایک انگ ہستی۔ لہراتی بل کھاتی پگڈنڈیوں اور شور مچاتی ہوئی کوہستانی ندیوں کی طرح پیچیدہ یادیں
ان یادوں کا ایک اپنا وجود ہوتا ہے۔ ان کے وجود اور ان کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔ یادوں کا سلسلہ کبھی اتنا طول کھینچتا ہے کہ مختلف یادیں ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک مستقل صورت اختیار لیتی ہیں اور زندگی کا ایک تصور نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ مسکراتی اور قہقہے لگاتی ہوئی 'رودتی اور سکتی ہوئی زندگی۔

ان یادوں سے پیچھا بھی تو نہیں چھڑایا جاسکتا۔ ان کی حقیقت تو اس آئینے کی طرح ہے جس میں اپنی شکل دیکھنے کے بعد نہ جانے کیسے کیسے خیال ذہن میں سر اٹھارتے ہیں۔ ضدی بچوں کی طرح ان کی ہچکیاں شروع ہو جاتی ہیں یادیں ہوں یا دونوں میں سے کسی کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بات وہ ہمیشہ سوچتی شاید زندگی کے کسی موڑ پر یہی الفاظ اسے پھر

میں بھی عادت سے مجبور ہوں۔

مکرنوری
 درانی آہستہ سے بولا
 کیوں؟
 مجھے اچھا نہیں لگتا تمہاری انگلیوں میں سگریٹ، اچھا نہیں لگتا۔
 آپ کو مجھ سے کیا اچھی لگوں یا بری۔ وہ کہتی ہوئی پرو جکشن ہال کی
 طرف چلی گئی۔ جہاں اس کی قلم کے گانے چل رہے تھے
 اس کے جانے کے بعد درانی کا سینگر بولا
 بڑی منہ پھٹ ہو گئی ہے
 درانی صاحب نے خواہ مخواہ منہ لگایا ہے۔
 ایک ڈسٹی بیوٹر بولا
 وہ دونوں نوری پر تنقید کر رہے تھے لیکن درانی چپ بیٹھے تھے۔ جیسے
 سانپ سونگھ گیا ہو۔ شاید خود کو ملامت کر رہے تھے۔ کہ انہوں نے ایک ناگن کو
 جھینڑا ہی کیوں
 کیا ہوا صاحب؟
 نعیم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا
 درانی صاحب نے نوری کو زیادہ سگریٹ پینے سے منع کیا تو چڑ گئی اور درانی
 صاحب کو صاف کہہ گئی کہ آپ کو کیا۔ میں سگریٹ زیادہ پیوں یا کم

سگریٹ پیتی، ہنستی، کھیلتی اور گھر چلی آتی۔

آج کل سگریٹ اس کی کمزوری بننے جا رہے تھے۔

کوئی کہتا دولت کی چمک نے معزور کر دیا ہے۔

کوئی کہتا پوز کرتی ہے۔

کسی کا خیال تھا کہ خود کو بہت حسین سمجھتی ہے، یہ سب باتیں وہ جانتی
 تھی۔ سنتی اور مسکراتی اور فضا میں سگریٹ کے دھوئیں سے مرغوب بناتی رہتی۔
 ایک اسٹوڈیو کا مالک آج کل اس کا دیوانہ تھا۔
 اسٹوڈیو مالک درانی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ چڑھتے سورج کا پجاری
 ہے جو بہرہ دین ٹاپ پر ہو۔ وہ اس کے آگے پیچھے پھرتا ہے اور اسی لئے وہ
 آج کل نوری کا دیوانہ تھا۔
 نوری کی سگریٹ نوشی کو بعض اخباروں نے اچھالا۔ فلم لائن میں بھی کچھ
 لوگ تنقید کرتے۔ مگر وہ کسی کی پروا نہ کرتی۔
 ایک روز درانی صاحب نے کہہ ہی دیا
 نوری تم سگریٹ کیوں پتی ہو؟
 آپ شراب کیوں پیتے ہیں؟
 نوری نے سوال کر دیا
 بس عادت ہے۔
 درانی مسکرا کر بولا

اس کا علاج واقعی میرے پاس نہیں نوری بولی پھر کہنے لگی۔

آؤ چلتے ہو کماں؟

ذرا گھر چلیں گے چلو نعیم ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈسٹی بیوٹر نے درانی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

چلو بھی نوری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا نعیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا چلو۔

مگر ذرا ٹھہرو تو نوری ٹیلیفون کی طرف بڑی۔

کیوں؟ تمہاری بیوی کو بھی لیتے ہیں وہ بے چاری گھر میں بور ہوتی ہوگی۔

نوری نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولی ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں سوچ ہی رہا تھا اس سے کہے کہ تیار ہو جاؤں۔

نوری فون کرنے لگی اور درانی ڈسٹی بیوٹر کی طرف شرمندگی سے دیکھنے لگا۔

ڈسٹی بیوٹر بولا تو کیا ہوا غلطی درانی صاحب کی ہے۔ کسی کی ذاتی زندگی میں جھانکے

کا ان کو کیا حق ہے۔ ہر انسان کے ذاتی مسائل ہوتے ہیں۔ جنہیں ہر انسان خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب اجتماعیت کوئی بندھاؤ کا اور واضح اصول نہیں رہا۔

نعیم وہیں بیٹھ گیا ہاں غلطی میری تھی درانی مان گیا اچھا چھوڑیے ان باتوں کو۔ آؤ ! ایک رمی کی بازی ہو جائے۔

پھر؟ نعیم بولا درانی اور ڈسٹی بیوٹر بھی شامل ہو گئے۔ کھیل شروع ہوا۔ لیکن دارنی برابر

ہارتا رہا اس کے ذہن کی یکسوئی ختم ہو چکی تھی۔

گمانے دیکھ کر نوری بھی وہیں آگئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح نارمل تھی۔ نعیم ذرا

بے تکلف سا تھا۔

کہنے لگا سنا ہے تم پر کوئی تنقید کرے تو چڑ جاتی ہو۔

کوئی مجھ پر تنقید کرے کیوں؟ نوری ہنس کر بولی۔

کسی کے پیٹ میں درد ہو اگر نعیم قہقہہ لگا کر بولا۔

گے کہ سب تمہیں چھوٹے نظر آئیں گے.....

توری اس روز بہت خوش تھی..... جانتی تھی کہ قلم لائن میں چانس لینے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے.....

اور اسی لئے اس نے اپنی قلم بنانے کا پروگرام بنایا تھا اس کا خیال تھا کہ اس قلم میں سارے گانے رضا حسن کے ہوں گے اور رضا حسن کی خوب پلٹنی کی جائے گی..... اس طرح وہ کسی سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ رضا بہت اچھا گاتا ہے۔ اسے قلم میں چانس دو..... وہ خود اس وقت ایسے مقام پر تھی کہ جس سے چاہتی اپنی بات منوالیتی..... مگر وہ کسی سے کہنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اس لئے اس نے اپنی قلم بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ رضا کا مقدر بنانا چاہتی تھی..... اس نے میوزک ڈائریکٹر کو بلوا لیا..... ستوری رائٹر نے اسے دو ہی دن میں قلم کا اسکرپت تیار کر دیا۔ گانے لکھوا کر اس نے میوزک ڈائریکٹر کے حوالے کئے اور وہ دھنیں بنانے لگا۔

اگلے دن اس کی قلم کا مورت تھا اور اس نے سارے اخباروں میں رضا کی کھل کر پلٹنی کی تھی اور وہی ہوا.....

اگلے روز مورت میں رضا نے جب پہلا گانا گایا تو پورا اسٹوڈیو پروڈکشن ہال میں اٹھ آیا۔

سب نے ہی رضا کی آواز کی تعریف کی.....

رضا حسن تو خیر خوش تھا ہی توری کی خوشی سنبھالنے نہ سنبھل رہی تھی۔ وہ



خان صاحب نے کہہ دیا کہ رضا حسن اب فنکار بن چکا ہے، اسی روز توری نے رضا کو یہ خوشخبری سنائی کہ وہ رضا کی خاطر اپنی قلم شروع کرے گی اور اس کی آواز لوگوں تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کرے گی۔

رضا حسن بہت خوش تھا..... خوشی سے اس کے آنسو نکل آئے۔

اسی روز توری نے رضا کو سامنے بیٹھا کر بڑی باتیں کیں۔ قلم لائن کی سیاست سمجھائی۔ اسے اب بھی یاد ہے کہ اس روز اس نے رضا سے کہا تھا۔

رضا اپنے آپ کو ہمیشہ اتنا اونچا سمجھتا تھا کہ تم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، یہی سمجھتا کہ میرے جیسا کوئی نہیں اور میں سب سے اچھا ہوں..... جو لوگ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے رضا۔ وہ اس ملک میں مر جاتے ہیں۔ رضا خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر کہنے لگا میں نے کبھی ایسا خواب بھی نہیں دیکھا تھا کہ میں ایک روز اپنی آواز دنیا میں بچھلا دوں گا۔

تم بہت اچھے ہو رضا..... انشاء اللہ بہت جلد تم اتنی اونچی جگہ پہنچ جاؤ

سب سے مبارک باد وصول کرتے ہوئے یوں چمک رہی تھی جیسے یہ سب لوگ اس کی تعریف کر رہے ہوں۔

اس روز شام کو رضائے اس کے پاؤں پکڑنے اور کہنے لگا مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ سے کیا کون۔ آپ... میرے ساتھ وہ کچھ کیا ہے جو کوئی نہیں کر سکتا بس ساری عمر آپ کے پاؤں کی خاک کو سجدے کر رہا گا۔

ارے ارے کیا کہتے ہو نوری نے پیار سے اس کی سر پر ہاتھ پھیرا اور بولی بس اللہ کا کرم ہے رضا میں نے کچھ نہیں کیا تمہاری آواز اتنی اچھی ہے کہ اسے لوگوں تک نہ پہنچانا ایک گناہ تھا۔ میں نے تو اپنے آپ کو اس گناہ سے بچایا ہے بگلے۔ رضا کے آنسو نکل آئے۔

اور وہ اس کی کندھے تھپتھپاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی وہ دن رضا کے لئے سنرا دن تھا۔

دوسرے روز ہی پروڈیو سر صاحبان اپنی فلموں میں گانے گوانے کے لئے اسے سائن کرنے آگئے۔ مگر وہ ابھی تک اس بات پر راضی نہ ہوئی اس کا خیال تھا کہ فلم ریلیز ہونے پر رضا حسن کی مارکیٹ زیادہ بن جائے گی۔

فلم ریلیز ہوئی تو رضا کا نام گلی گلی پھیل گیا اس کی تعریف سن کر نوری یوں خوش ہوتی جیسے یہ رضا کی تعریف نہیں اس کی اپنی تعریف ہے۔

رضا کو اس نے دوسری فلموں میں بھی گانے کی اجازت دے دی تھی اور اب رضا بھی مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی اپنی گاڑی تھی اپنا بینک بیلنس۔ مگر

وہ نوری کی بے پناہ عزت کرتا۔

نوری کی فلمیں عروج پر تھیں اس کے پاس آج کل بہت پیسہ تھا مگر وہ پیسہ کہاں بٹاتا۔

تیم خانوں میں ہسپتالوں، خیراتی اداروں میں اسکولوں میں اسے بڑا سکون ملتا جب وہ بڑی بڑی رقیں رفاہی کاموں کے لئے دیا کرتی مگر اس نے ان کاموں کی کبھی پبلیٹی نہ کی وہ ہمیشہ رابعہ اقبال کے نام سے یہ رقیں بھجواتی۔

لہذا کسی کو علم بھی نہ ہوتا اور ملک کے رفاہی اداروں کی وہ چپکے چپکے امداد کر دیا کرتی تھی۔

اسی طرح زندگی رنگوں میں گھیری بیت رہی تھی مگر دل کی دیرینیاں آباد کرنے والا کبھی نہ آیا۔

جانے کہاں تھا؟

اس نے سڑکوں پر، چنگاموں میں، ہوٹلوں میں، سینما گھروں میں ہر جگہ اسے تلاش کیا مگر وہ نہ ملتا تھا نہ ملا۔

کبھی کبھی دل گھبراتا تو کار لے کر وہ گنجان آباد بستیوں میں پھرتی رہتی۔ میلے سچلے بنگے دھڑنگے بچوں کو پیار کرتی۔ بستی میں پہنچ کر اس نے ہر جگہ انور کا پتہ پوچھا پر وہ کہیں نہ ملا۔

ایک روز اسٹوڈیو میں کوئی تقریب تھی حکومت کا کوئی بڑا افسر

معاشرے میں بہت اچھا مقام ہے میرا۔ لوگ میری بے پناہ عزت کرتے ہیں۔ حیرت ہے تم ! ابھی تک نہیں جانتیں۔ خان بہادر فخرزماں کا نام تو آج کل اخباروں کی زینت ہے۔

فخرنس کر بولا

مجھ سے زیادہ تمہیں کون جانتا ہے۔

نوری مسکرا کر بولی

وہ جاننا اور تھا۔ اب تم کسی کے سامنے میرا نام لے کر دیکھو۔ کتنی عزت

ہے میری بہت ہی قدر کرتے ہیں لوگ

فخر خوشی سے بولا

قدر تو خیر میں بھی تمہاری بہت کرتی ہوں تم سیلف میڈ آدمی ہو۔ تمہیں

یہ سب کچھ درٹے میں نہیں ملا۔ تم نے خود بنایا ہے۔ اتنی محنت سے 'اب یہ اور

بات ہے کہ محنت کیسی تھی۔

ہاں ہاں فخر جھل سا ہو گیا کہنے لگا۔

مذہبی قسم کا بن گیا ہوں۔

تو آج کل نماز ہتھیار ہے تمہارا ؟

نوری ہنس کر بولی

کیا مطلب

مطلب یہی کہ زمانے کے رخ ہوتے ہیں کبھی پار سامنے سے مطلب نکلتا

ادا کاروں کو ایورڈ دینے آرہا تھا اور فلمی صنعت کے مسائل دور کرنے کے لئے شہر کے بڑی نامی گرامی لوگ تقریریں کرنے والے تھے۔

وہ تیار ہو کر اسٹوڈیو پہنچی۔

دروازے پر ہی اس نے دیکھا۔ ایک کارر کی ہے اور اس میں سے فخر نکلا

ہے۔ وہ بہت ہی معزز آدمی لگ رہا تھا۔ بالکل بدلا بدلا تھا۔ نوری اس کی طرف

دیکھ کر مسکرائی۔

وہ بھی قریب آگیا

کیسی ہو بھئی ؟

فخر خوش دلی سے بولا

اچھی ہوں بلکہ بہت اچھی۔

بہت اونچی اڑنے لگی ہو

فخرنس کر بولا

میری اڑان تم سے اونچی نہیں فخر۔

نوری ہنس دی

میں نے وہ کام چھوڑ دیئے ہیں۔ اب تو نمازیں پڑھتا ہوں۔ حج کر کے آیا

ہوں اور رفاہی کام کرتا ہوں۔ حکومت نے اسمبلی کا ممبر بھی بنالیا ہے۔

فخر بولا

اچھا ! نوری طنزیہ بولی۔

ہے اور کبھی ہم جیسے لوگوں کے طفیل۔

نہیں نہیں ایسی بات نہیں۔

فخر گہرا سا گیا.....

یہاں کیسے آئے ہو.....

نوری نے پوچھا۔

آج یہاں تقریب ہے نا..... میں بھی تقریر کر رہا ہوں۔

بڑی دھانسوں تقریر لکھی ہے میں نے۔ میں چاہتا ہوں فلم والوں کے مسائل حکومت تک پہنچیں اور تم سب کا بھی معاشرے میں کوئی باعزت مقام ہو۔ دیکھو نا، فلم والے معاشرے سے کٹ کر رہ گئے ہیں تم لوگ معاشرے کا ثقافتی ورثہ ہو..... تم لوگ غریب عوام کو سستی تفریح مہیا کرتے ہو، اس لئے تمہیں عزت ملانی چاہئے۔

ٹھیک ٹھیک.....

نوری فخر کی باتوں کو غور سے سن رہی تھی۔ کہنے لگی۔

تم یہ تقریر کہو گے آج.....

ہاں.....

تو پھر میں وہیں لوگوں میں تم سے پوچھوں گی.....

نوری کی بات سن فخر جو تک گیا۔ کہنے لگا۔

کیا..... کیا پوچھو گی.....

یہی پوچھوں گی کہ ہم لوگوں کو جب شریف گھرانوں سے یہاں لایا جاتا ہے۔ ہمارا کاروبار کیا جاتا ہے اور ہمیں بس صرف کوڑے اور گندگی کا ڈھیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں۔ میں وہیں مجلس میں تمہیں بتاؤں گی فخر کہ تم کون ہو..... کیا ہو..... میں ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دلوانے کی اپیل کروں گی۔ جنہوں نے خوبصورت لڑکیوں کو خرید کر انہیں کھلونا بنا رکھا ہے اور بہت سے لوگوں کا حق چھین کر ایسے خوبصورت ہتھیاروں کے ذریعے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ میں اس سزا کی ابتداء تم سے ہی کروں گی۔

جانتا ہوں کہ تم مذاق کر رہی ہو.....

فخر کی گھٹکی بندھ گئی.....

چلو مذاق ہی سی..... آؤ پھر تقریر کرو.....

یہ مذاق میں ضرور کروں گی۔ سمجھے..... تم جیسے لوگوں کو بے نقاب کرنا

میری زندگی کا مقصد ہے۔ فخر تم اب کسی اور کو یہ قوف نہیں بنا سکتے۔ اب کوئی

رابعہ نوری نہیں بنے گی۔

فخر کو یقین آچلا کہ نوری جو کچھ کہہ رہی ہے ضرور کرے گی۔

گہرا کر وہ پلٹا اور تقریر کا کاغذ ہاتھ میں لئے کار میں بیٹھا اور واپس چلا گیا۔

نوری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ فاتحانہ سی، پرسکین سی۔

نوری سب کچھ جانتے ہوئے انجان اور وہ اسے ٹوکتی بھی کیوں وہ اپنے دل کا آپ مالک تھا۔ اس نے جب تک اس پر نظر رکھی جب وہ کچھ نہیں تھا اور اب وہ اسے کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی تھی البتہ وہ ہمیشہ اسے اچھی جگہ۔ اچھے لوگوں میں رکھنا چاہتی تھی۔ غلط قسم کے لوگ اس کے قریب آتے جا رہے تھے تو اسے دکھ ہوتا۔

رضا اندر آگیا

آج آپ گھر پر ہیں۔ وہ بتی روشن کرتے ہوئے بولا

ہاں آج شوٹنگ کینسل کر دی ہے اور ایک ایڈیٹر کو وقت دے رکھا ہے ابھی آنے والا ہو گا۔ انٹرویو کرنا چاہتا ہے۔

نوری خوش دلی سے بولی۔

رضا اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

تم آج فری ہو

نوری نے پوچھا۔

ابھی گانا ٹیک کیا ہے آئیڈیل پکچر کا

شام کا بھی ایک گانا ہے

تھک گئے ہو

نوری ہنسی

جی

تو اتنا کام مت کیا کرونا۔ صحت کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے۔



اس کے کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں وہ ہتھیلی پر رکھے اچلے موڑتے کے پھول کی منک میں کھوئی ہوئی تھی۔

اس نے گلابی ریشم کا لباس پہن رکھا تھا اور کھلے بالوں میں اس کی مالن موڑتے کا گجرہ لگاؤ تھی۔

کمرہ کھلا تھا

چار بجے تھے لیکن کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں اس لئے ہلکا ہلکا سا اندھیرا تیر رہا تھا۔

اس نے دیکھا رضا آ رہا ہے

رضا آج کل بہت خاموش رہتا تھا۔ اکثر رات گئے گھر آیا کرتا اب تو وہ اس سے بات کے بغیر ہی سو جاتا۔

باہر کی دنیا اسے بہت پسند آگئی تھی اسے بہت سے خوشامدی دوست مل گئے تھے۔ چونکہ وہ خوبصورت تھا اس لئے فلم انڈسٹری کی لڑکیاں بھی اسے اپنی قربت بخشنے لگیں تھیں۔

ایسی کیا بات ہے؟

نوری نے مسکرا کر اسے بات کرنے کا حوصلہ دلایا۔

اگر میری بات بری لگے تو معاف کر دیجئے گا۔ میں اصل میں میں

یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔

نوری نے بڑی تحمل سے سنا اور بولی۔

یہاں پر تمہیں کوئی دکھ پہنچا ہے یا کوئی اور وجہ ہے ؟

یہاں پر مجھے کوئی دکھ پہنچے گا یہاں پر مجھے جو کچھ ملا ہے۔ وہی میری

زندگی ہے مگر مگر میری ایک تمنا ہے کہ میرا اپنا کوئی گھر ہو

بیرا اپنا گھر۔ رضا کی تڑپ اس کی زبان پر آگئی۔

تم نے ٹھیک سوچا رضا اپنا گھر اپنے گھر کی تڑپ میں جانتی

ہوں مجھے پتہ ہے۔ تمہیں یہاں دنیا کی راحت ملیں۔ لیکن سکون اپنے گھر

میں مل سکتا ہے۔ بے گھر لوگوں کی جلن، تکلیف اضطراب اور اضطراب کی تڑپ

سے میں واقف ہو۔ تم جس وقت چاہو اپنا گھر بنا سکتے ہو۔ بھلا مجھ سے اجازت کی

کیا ضرورت ہے۔ اپنا گھر بناؤ رضا میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

نوری کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

اور رضا تڑپ گیا

کیسی عورت ہے یہ کتنی عظیم کوئی بات اسے بری نہیں

لگتی۔ کتنا اچھا سوچتی ہے، سب کے لئے، ہر بات کو اچھے پہلو میں لینا اس کی

رضا صرف مسکرا دیا

سنا ہے شادی کر رہے ہو؟

نوری ہنس کر بولی

رضانے چونک کر دیکھا۔ پھر بولا

آپ کو کس نے کہا؟

تم کچھ نہیں کہتے تو کیا مجھے پتہ نہیں چلتا؟

نوری ہنس کر بولی؟

ابھی کچھ پتہ نہیں۔

رضا سر جھکائے الجھا الجھا سا تھا؟

زندگی کا ساتھی ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ مگر رضا کو شش کرنا کہ

ساتھی کا انتخاب کرتے وقت اس میں صرف وفاؤں ہونڈنا۔

نوری کچھ ادس سی ہو گئی۔

اس کی کسوٹی ہے کوئی؟

رضانے پوچھا۔

دکھ کی آنکھوں سے دیکھو گے تو وفا نظر آجائے گی۔

مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے کئی دن سے سوچ رہا ہوں۔ کہیں آپ کو

میری بات بری نہ لگے اس لئے ہمت نہیں پارہا۔

رضا بولا؟

عقمت ہے۔

اس نے عقیدت سے نوری کی طرف دیکھا اور بولا۔

میں آپ کی عقمت کا سلام کرتا ہوں میڈم
پگلا

نوری مسکرائی۔ کئے گئی، تمہارے گھر میں تمہاری پیاری سی بیوی ہوگی۔

نخنے نے پیارے پیارے بچے مجھے ایسا گھر دیکھ کر خوشی ہوگی رضا۔ رضا نے اسے عقیدت سے دیکھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

اور وہ سوچنے لگی۔ کاش یہ پیارا سا لڑکا نازی جیسی چالاک عورت کے چنگل سے نکل آئے۔ نازی اس کی اچھی بیوی نہیں بن سکے گی۔ اسے علم تھا کہ آج کل رضا کی شامیں نازی کے ہاں ہوتی ہیں جو انڈسٹری کی نئی آرٹسٹ تھی۔ خوبصورت اور طرح وار۔

وہ اسی سوچ میں تھی کہ ملازمہ نے کارڈ لار دیا۔ فلمی رسالے کا ایڈیٹر ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہا تھا۔

وہ انٹرویو اور جونہی ڈرائنگ روم کا پردہ اٹھایا تو اس کے قدم جھل تھے وہیں رک گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ نگاہیں جم کر رہ گئیں سامنے ایڈیٹر کے ساتھ انور بیٹھا تھا۔

دل کے دروازوں کے پٹ ایک دوسرے سے دھم سے ٹکرانے لگے۔

ایک لمحے کے لئے وہ حسین اور پرفریب راتیں اس کی آنکھوں میں چل

چل گئیں جن راتوں میں اس کی کنواری آرزوؤں نے اسے محبوب بنایا تھا۔ خوابوں کا ریشمی آنچل اس کے تصور پر پھیلا گیا۔ انوکھی سی کسک کا وجد ان اپنی تہوں میں اسے کھینچتا گیا۔ مکے مکے اور ہنکے ہنکے جذبے چل اٹھے۔ آئیے نا۔ ایڈیٹر اور انور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں سوچ رہی تھی کہ آپ کو شاید میرا انتظار زیادہ کرنا پڑا ہے۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی اور قدم بدھایا۔ اس کی چال میں سنجیدگی اور انداز میں خود رفتگی تھی۔

پردہ رہ گیا کہ اسے ٹیلیفون پر بات کرنا پڑ گئی اور ساتھ ہی ایک پروڈیوسر فلم سائن کرنے کے لئے آکر بیٹھ گیا۔ ٹیلیفون رکھ کر وہ ایڈیٹر کی طرف متوجہ ہوئی تو ایڈیٹر بولا۔

یہ میرے رپورٹر ہیں مسٹر انور۔

جی۔ بڑی نوازش کی انہوں نے۔

نوری نے کہا
اس کا لہجہ بگھا سا تھا اور بے قرار نظریں انور پر جمی تھیں
بڑا اچھا لگتے ہیں انور صاحب
ایڈیٹر بولا
جی میں جانتی ہوں
نوری بولی
.....

اچھا ایڈیٹر حیرت سے بولا۔

ان کی کہانیاں پڑھی ہیں میں نے۔

اچھا اچھا۔ پھر تو انور بڑے خوش نصیب ہیں۔

ایڈیٹر بولا.....

آپ کہانیاں ادھوری چھوڑ دینے کے قائل ہیں شاہد؟

نوری نے انور سے پوچھا۔

جی..... بعض کہانیاں ادھوری رہنے کے لئے ہی جنم لیتی ہیں۔

آہستہ سے بولا۔

جب کوئی کہانی ادھوری رہ جائے تو آپ کو پتہ ہے کیا کرنا چاہیے؟

اب تو کوئی ایسی کہانی لکھئے انور صاحب جس کا کوئی انجام ہو بخدا ادھورے پن کا

کرب اب برداشت نہیں ہوتا۔

نوری بظاہر مسکرا رہی تھی۔

واہ۔ واہ میڈم کیا بات کی ہے آپ نے۔

پروڈیو سر بولا۔

انور کی جھکی نگاہیں انھیں اور اس کی آنکھوں سے الجھ گئیں۔ ان نگاہوں

میں تڑپ تھی، درد تھا، جلن تھی، بظاہر نوری کی نظریں خاموش تھیں۔ لیکن جیسے

کہہ رہی تھیں۔

میرے 'مقدر کی تاریک راتوں میں میری زندگی کی حسین و پرہیزگار

دوب چکی ہے۔ میرے گرد کانٹے ہیں۔

ماشاء اللہ آج کل تو ایڈیٹری میڈم کے دم سے قائم ہے۔

ایڈیٹر بولا۔

پروڈیو سر نے ایک دم اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

انور صاحب آپ میڈم سے سوال کیجئے۔

ان کا وقت بہت قیمتی ہے۔

ایڈیٹر بولا.....

میں انٹرویو لکھ لوں گا۔ میرا مطلب ہے کہ ان کے بارے میں تو اخبارات

میں بہت کچھ چھپتا رہتا ہے نا۔ کوئی مشکل نہیں۔

یہ بھی صحیح ہے۔

ایڈیٹر بولا۔

مگر مجھے اختلاف ہے صاحب۔

نوری ہنسی اور کہنے لگی۔

آپ کو اپنے اخبار کی انفرادیت قائم رکھنی چاہئے۔

کوئی سوال تو پوچھئے انور صاحب جو انوکھا ہو۔

جو مجھ سے آج تک کسی نے نہ پوچھا ہو۔

ایڈیٹر اور پروڈیو سر نے قہقہہ لگایا۔

واہ واہ کیا بات کی ہے میڈم نے..... سبحان اللہ.....!

واقعی انور صاحب کوئی سوال تو پوچھ لیجئے۔

انور گہرا گیا کہنے لگا۔

میں انوکھا سوال پوچھنے کے لئے آپ سے پھر وقت لے لوں گا۔

اب اجازت لیں۔

ایڈیٹر بولا

ٹھہریے ایڈیٹر صاحب۔ میں تو انور صاحب کی تلاش میں تھی یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ کے طفیل انکی زیارت ہو گئی۔

ایڈیٹر نے حیرت سے انور کی طرف دیکھا جو پریشان سانوری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میں ایک قلم بنا رہی ہوں مجھے انور صاحب کی ایک کہانی بہت پسند ہے۔

میں اس پر قلم بنانا چاہتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

بہت اچھا خیال ہے ایڈیٹر خوش ہو کر بولا۔

تو وہ کہانی آپ ان سے مجھے لے دیجئے۔

بالکل شوق سے کونسی کہانی؟

ایڈیٹر نے پوچھا

ہنستے زخم

نوری نے فوراً ہی ایک نام گھڑ لیا۔ پھر کہنے لگی۔ میں چاہتی ہوں بات ابھی سنے ہو جائے کیونکہ یہ رائٹر لوگ بس اپنی مرضی کے ہوتے ہیں کیا پتہ ایسے کھو

جائیں اور پھر ملیں ہی نا۔

آپ شوق سے بنائے جی۔ انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ کیا ان کی کم

خوش نصیبی ہے کہ آپ ان کی کہانی پر قلم بنا رہی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں گولڈن

چانس ہے یہ ان کے لئے ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔

ایڈیٹر بولا۔

نوری اٹھ کر اندر گئی۔ جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پچیس ہزار

روپے کا چیک تھا۔

کہنے لگی۔ یہ پیش کرتی ہوں اور کہانی مجھے صبح بھجوا دیجئے گا۔

ایڈیٹر اور پروڈیوسر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ وہ لوگ کہانی کار

کو روپیہ دینا بے وقوفی خیال کرتے ہیں۔

پروڈیوسر کو میڈم کی عقل پر کوفت ہوئی کہ کہانی تو پچاس روپے میں

خریدی جاسکتی ہے۔ بہت ہوا تو ادھر ادھر کے ٹکڑے اکٹھے کر لئے یا پھر کسی

ہندوستانی قلم کی ٹیپ منگوالی۔

یہ میڈم کو کیا ہو گیا ہے۔

ایڈیٹر نے میڈم کے ہاتھ سے چیک لے کر انور کے ہاتھ میں دیا اور بولا

مبارک ہو انور۔

انور نے ایک نظر چیک پر ڈالی اور پھر نوری کو واپس کرتے ہوئے بولا۔

مجھے وہ کہانی نہیں پہنچی۔ شکریہ

وہ بغیر کسی کے دیکھے باہر نکل گیا۔

ایڈیٹر اس کی عقل کو روتا ہوا اس کے پیچھے چلا گیا۔

اور نوری دیکھتی رہ گئی۔

عجیب پاگل آدمی تھا

پروڈیو سر فرس کر بولا

آپ اس وقت بیٹے میں پھر بھی آپ سے بات کر لوں گی۔ نوری اٹھ کر اپنے کمرے میں تہنی۔



انور کا وجود اس کیلئے ایک بولتا آئینہ ہے۔ اور یہ آئینہ اس کے فکر کے ساگر میں رہ رہ کر کنکریاں پھینک رہا تھا وہ سب کچھ جانتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ سطح پروڈیو کا جال بن رہا ہے اور یہ بننا جال اس سے صاف کہہ رہا تھا۔

رابعہ

تمہارے احساس کی جبین پر جس چاند کا چمکتا جھومر ہے وہ اپنی اندر آتشیں طوفان سمیٹے ہوئے ہے مگر زبان خاموش ہے۔

اس نے نکلنے سے سرائٹھایا اور بولی۔

میں بھی جانتی ہوں انور

اس چپ چپ سی دیوار میں بہت سے کرنباک سائے لپک رہے ہیں۔

ایک ناقابل فہم کیفیت میں وہ انٹھی سگریٹ سلگایا اور ریڈیو آن کر دیا۔

پتھر کے صنم تجھے ہم نے محبت کا خدا جانا۔

اس نے دوسرا سکرٹ سجا دیا۔

انور تم آخر میرے لئے کیوں شراب بنتے جا رہے ہو۔

کل وہ جس وقت اس کی سامنے بیٹھا تھا اس کی چہرے کے بدلے ہوئے رنگ اسے اب تک یاد تھے۔

کھویا کھویا سا آنکھوں کا بھیا تک ویرانہ دل کی چوٹ کی غمازی میں ہونٹوں کا کپکپانا۔

نوری دیکھ رہی تھی۔

اسے پتہ ہوتا کہ وہ مل کر یوں کھو جائے گا تو کل اپنے گھر کی سارے دروازے بند کر لیتی اس نے تمنائوں میں بہت کچھ سوچا تھا۔

وہ ہمیشہ فیصلے کرتی رہتی۔

اب اگر انور ملا تو اس کے پاؤں پر سر رکھ دوں گی اور کہوں گی۔ مجھے اس دنیا سے لے چلو میں تھک گئی ہوں۔

انور خدا کے بعد میں نے محبت کو اٹل حقیقت سمجھا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ کسی دن تمہیں پالوں گی۔

لیکن اب تو میرے عقیدے بھی گھلے جا رہے ہیں۔

اس کے دل کی فریادیں چل رہی تھیں اپنے لئے ایک لے ڈھونڈ رہی تھیں۔

لیکن انور ملا اور کھو گیا۔

یہ بول پھٹے ہوئے پیسے کی طرح اس کے کان میں اتر رہے تھے۔

ایک عورت کی زندگی تو اسی وقت مسکراتی ہے جب اس کا محبوب ساتھ اس کے دل کی قریب ہو اور ہر لمحہ دھڑکنوں کو سن رہا ہے۔

لیکن اس کا ساتھ کہاں تھا وہ تو بس تما تما تھی۔ اندر سے سینے میں لاوا کھول رہا تھا اب تو وہ ایسے موڑ پر آ گئی تھی۔

جہاں اس کے تھکے تھکے سے پاؤں رک گئے تھے اس کے سامنے موڑوں کا جال بچھا تھا

اور راستے پر بیچ ہو رہے تھے۔

اس پیچیدگی اور کش مکش میں اپنے دھڑکتے ہوئے دل کی ایک آواز وہ سن رہی تھی۔

انور انور انور

کبھی کبھی زندگی سے کوئی جملہ اتنا میل کر لیتا ہے۔ جس سے فرار ناممکن ہوتا ہے تب احساس کی کائنات تپ اٹھتی ہے۔

وہ سنگ رہی تھی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا پلکیں بھیگ رہی تھیں اور لب کانپ رہے تھے۔

ابھی ابھی جب اس نے اخبار کے دفتر ٹیلیفون کیا تھا تو اسے ایڈیٹر نے بتایا کہ انور استغنی دے کر جانے کہاں چلا گیا ہے۔ اخبار کے دفتر سے وہ انور کے گھر

کا پتہ لے کر وہ اس کی گھر چلی تو پتہ چلا وہ مکان چھوڑ گیا ہے۔

رو کیوں رہی ہو؟
نعیم نے پوچھا۔

نوری کے آنسو بہتے رہے۔
نعیم اٹھا اور تیزی سے اپنی دونوں باہیں پھیلا کر اسے سینے سے لگایا اور

یہ آنکھیں آنسو بہانے کے لئے نہیں ہیں۔
آنسو جن کا مقدر ہو تو
نوری الگ ہوتے ہوئے بولی۔

اس کا انحصار اپنی سوچ پر ہے ورنہ انسان کی زندگی ۔ چیز سے مرتب ہے۔
وہ کہہ کہ اب نہ روگی۔

نعیم تمہیں کچھ پتہ نہیں مجھ پر کیا بیت گئی ہے۔
کچھ بتاؤ نا

نعیم مجھے وہ ملا جس کی انتظار میں میں نے اپنی سانسیں بچا رکھی ہیں۔ مگر وہ
کو گیا۔

نوری بولی۔

تو جانے دو ایسے نا قدرے کا تمہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ یار
تم عورتیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہو۔ جو تمہارے پیچھے پیچھے مرے اس سے
نہ ہو اور جو تمہاری قدر نہ کرے اس کی پیچھے تم جان تباہ کرنے پر قائل جاتی ہو۔

اب اس فریاد میں بھی کوئی لے نہ رہی تھی، ہونٹ بند تھے، اور سینہ
بو جھل، دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

آج صبح رضا بھی اپنے نئے گھر چلا گیا تھا۔ جاتے سے اس میں ہمت نہ
تھی۔ کہ نوری کی طرف دیکھے بس سر جھکائے اندر آیا اور بولا میں اپنے گھر
جا رہا ہوں۔ مجھے دعا دیجئے۔

خدا حافظ اس کا دل تو پہلے سے بھرا ہوا تھا۔

اس کے جانے کے بعد وہ خوب روئی
انور گیا اس کی زندگی گئی۔

میں نے تو چاہا تھا انور۔

تم مجھے اپنی محبت اپنے پیار کے کھکشاں کے رنگ میں رنگ لو گے۔ میری
سوئی مانگ میں شفق کی لالی اور جگنو کی چمک بھر دو گے۔

مگر اک نصیب جلی کو یہ سب کچھ کیسے مل سکتا ہے۔

مجھے تو زندگی کی چند گھڑیاں بھی بس دکھ سمیٹتے ہی ملی ہیں۔

اسی لئے نعیم آگیا
وہ بالکل سفید ہو چکی تھی اور سرد برف کی طرح بیٹھی تھی۔

کیا ہو گیا نورانی

نعیم اس کی قریب ہی بیٹھ گیا۔

کچھ نہیں نوری رو دی۔

نعیم تم ایکٹر ہو بہت مقبول بہت خوبصورت اور تم پر مرنے والی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ مگر وہ عورت جو تمہاری بیوی ہے، صرف تمہاری ہے، تمہاری پوجا کرتی ہے، اس کا دل کبھی نہ توڑا کرو یہ سب تو بھنورا خاصیت لڑکیاں ہیں۔ انہیں یا تو کوئی مطلب ہو تا ہی یا بیکار وقت کی مصروفیت۔ اچھا بھئی اب لیکچر نہ دو ٹھیک ہے سب کچھ۔ بیوی کو کیا چاہیے۔ سب کچھ مل رہا ہے، عیش کر رہی ہے، ہیرے پہنتی ہے اور سارا روپیہ سنبھالتی ہے، ہم تو بس اس کے مزدور ہیں۔

نعیم ہنس کر بولا
 نوری بھی مسکرا دی۔
 مسکراہٹ تو آگئی اب ہنس بھی دو۔
 اور آؤ چلو آج راجہ صاحب کے ہاں بہت بڑی گیم ہے۔
 نعیم بولا
 نوری بھی اس وقت اپنے آپ کو کیس سودینا چاہتی تھی۔ فوراً اٹھ گئی اور چند منٹ میں ہی تیار ہو کر آگئی۔

بہت سے روپے جیب میں ڈال کر نعیم کے ساتھ جب وہ راجہ صاحب کی کوٹھی پہنچی تو وہاں واقعی بہت بڑی بڑی رقمیں لے کر نامور فنکار اور پروڈیوسر پارٹ ٹائم بزنس میں مصروف تھے۔

لوجی بڑا امیر بنا کر آگیا زرینہ نے قہقہہ لگایا
 نعیم نے ایکٹر ہو بہت مقبول بہت خوبصورت اور تم پر مرنے والی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ مگر وہ عورت جو تمہاری بیوی ہے، صرف تمہاری ہے، تمہاری پوجا کرتی ہے، اس کا دل کبھی نہ توڑا کرو یہ سب تو بھنورا خاصیت لڑکیاں ہیں۔ انہیں یا تو کوئی مطلب ہو تا ہی یا بیکار وقت کی مصروفیت۔ اچھا بھئی اب لیکچر نہ دو ٹھیک ہے سب کچھ۔ بیوی کو کیا چاہیے۔ سب کچھ مل رہا ہے، عیش کر رہی ہے، ہیرے پہنتی ہے اور سارا روپیہ سنبھالتی ہے، ہم تو بس اس کے مزدور ہیں۔

نعیم نے ماحول کو خوشگوار بنانا چاہا۔
 نوری خاموش بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی آنکھوں میں اٹرنے والے آنسوؤں کو انگلی کے پوروں میں جذب کرنے لگتی۔
 مان لیا کہ گلیسرین سے زیادہ ان آنسوؤں میں خوبصورتی ہے اب بس بھی کرو۔

نعیم ہنس کر بولا
 تم کیسے آئے نوری بولی
 تمہیں کیا خبر۔ گھر بیٹھے بیٹھے خیال آیا تمہیں میری ضرورت ہے بس چلا آیا۔ حالانکہ میری بیوی میرے ساتھ فلم جانے کے لئے تیار تھی۔

نعیم نے کہا
 نعیم خدا کے لئے اپنی بیوی کا دل نہ توڑا کرو۔
 نوری تڑپ کر بولی
 اس کا عمر بھر کا ساتھ ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔
 نعیم لا پرواہی سے بولا۔

نعیم وہ بڑی پیاری عورت ہے۔ تمہیں بڑی چاہتی ہے۔ تمہارا بچہ کتنا پیارا ہے۔ تم سے لپٹ جاتا ہے۔ جب وہ تمہاری گود میں بیٹھ کر فخر سے دیکھتا ہے تو تم نہیں جانے کتنا پیارا آتا ہے مجھے اس پر۔
 یار بور نہ کرو نعیم بولا
 نعیم نے ایکٹر ہو بہت مقبول بہت خوبصورت اور تم پر مرنے والی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ مگر وہ عورت جو تمہاری بیوی ہے، صرف تمہاری ہے، تمہاری پوجا کرتی ہے، اس کا دل کبھی نہ توڑا کرو یہ سب تو بھنورا خاصیت لڑکیاں ہیں۔ انہیں یا تو کوئی مطلب ہو تا ہی یا بیکار وقت کی مصروفیت۔ اچھا بھئی اب لیکچر نہ دو ٹھیک ہے سب کچھ۔ بیوی کو کیا چاہیے۔ سب کچھ مل رہا ہے، عیش کر رہی ہے، ہیرے پہنتی ہے اور سارا روپیہ سنبھالتی ہے، ہم تو بس اس کے مزدور ہیں۔

جلدی آؤ۔ ہمارے تو سارے نوٹ کھر گئے رضی بولا
 فکر نہ کرو نعیم بادشاہ آگیا ہے۔ ابھی تم سب کی چھٹی ہو جائے گی۔
 نعیم روپے نکال کر جوازیوں کے دائرے میں بیٹھ گیا
 نوری بھی بیٹھ چکی تھی۔



کارڈ تقسیم ہوئے۔ نوری کے پاس اچھے پتے تھے اس نے ایک ہی ہاتھ میں
 ہزاروں روپے جیت لئے لیکن اس کے بعد اس کی سوچ پھر انور پر الجھ
 گئی وہ بارتی گئی بارتی گئی بیس ہزار بار چکی تو وہاں بیٹھے لوگوں
 کو اس سے ہمدردی ہو گئی۔ وہ کھیلے چلی جا رہی تھی۔ مگر نعیم اٹھا اور اسے گھر لے
 آیا۔ مگر اسے اس بار کا کوئی فکر نہ تھا۔

شر سے باہر ایک بہت ہی پر فضا مقام پر اس کی شوٹنگ تھی۔ کسی گیت کے
 بول پکچراڑ ہو رہے تھے۔ اس پر صبح سے صرف تین شارٹ ہو سکے تھے۔ گچ کے
 لئے بریک ہوئی تو وہ سبزے پر لگی چھوٹی سی چھتری کے نیچے آگئی
 پلنگ پر آئے ہوئے لوگ شوٹنگ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ ایک دو
 بچوں نے آکر اس سے آٹو گراف بھی لئے۔
 اگلے لمحے ایک سارٹ آدمی اپنے دو بچوں کے ساتھ اس کے قریب
 آگیا
 میرے بچے آپ سے ملنا چاہتے تھے۔
 وہ آدمی بولا۔

آئیے آئیے نوری نے بچوں کو اپنے پاس بلوالیا۔
 بھئی آؤ نا وہ آدمی اپنی بیوی کو بلا رہا تھا۔ جو چھتری کی اوٹ میں اپنا
 چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

آدی اپنی بیوی کو پکڑ کر نوری کے سامنے لے آیا اور بولا یہ میری بیوی ہیں۔

نوری نے دیکھا۔ آنکھوں میں چمک آگئی اور بولی۔ ارے عشرت کیسی ہو ہو

اچھی ہوں یہ میرے شوہر ہیں سلیم اور یہ دونوں میرے بچے ہیں۔

عشرت نگاہیں چرا لے بولی۔

اچھا شادی کب کی تم نے۔

نوری نے ہنس کر پوچھا۔

بہت عرصہ ہوا۔

عشرت ڈری ڈری سی بولی۔

تو مزے میں ہو آج کل۔

نوری کو عشرت کی گھبراہٹ میں لطف آرہا تھا۔

ہاں ہاں بالکل۔

عشرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں نوری سے التجا کی۔ نوری سمجھ گئی تھی

لیکن یہ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔

شریف بن کر انسان کتنا بزدل ہو جاتا ہے۔

تم انہیں کیسے جانتی ہو ہو

سلیم نے عشرت سے پوچھا۔

بہت پرانا ساتھ ہے ان کا اور میرا۔

نوری ہنس کر بولی۔

ہاں بالکل تم بھی تو بہت بدل گئی ہو۔

بہت بڑی نامور ایکٹریس بن گئی ہو۔

عشرت دھڑکتے دل کے ساتھ خوف سے سفید پڑ جانے والے چہرے پر

زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی۔

تمہاری ہی دین ہے میں بھلا اس قابل کہاں تھی تم نے ہی داؤ

یکھائے تھے۔

سلیم حیرت سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

مذاق کی عادت نہ گئی تمہاری۔

عشرت بات بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تم انہیں کیسے جانتی ہو۔

سلیم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

یہ تو میری استاد ہیں جی اور میں ان کی شاگرد۔

کیا مطلب ؟

سلیم کی برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔

آپ کیوں پریشان ہو گئے۔

عشرت بوکھلا گئی۔ کہنے لگی، نوری میرے ساتھ نیروبی کے اسکول میں پڑھتی

تھی۔ یہ وہاں بھی بڑی شرارتی قسم کی لڑکی تھی۔ بہت ہنس کھ ہے اور دیکھ لیجئے اتنے سالوں بعد ملی ہے پر شوخی نہ گئی اس کی طبیعت سے۔

نوری عشرت کی باتیں سن کر زور زور سے ہنس رہی تھی۔ اور عشرت اوٹ پٹانگ باتیں کر کے شوہر کے سامنے ہنس رہی تھی۔ ڈر بھی رہی تھی۔

پردہ رہ گیا کہ نوری کو شارٹ دینے کے لئے ڈائریکٹر نے بلایا۔ ورنہ اس نے تو عشرت کا خون نچوڑ لیا تھا، جاتے ہوئے کہنے لگی۔

عشرت انشاء اللہ تم سے ضرور ملوں گی۔ اور سلیم صاحب کو بتاؤں گی ہماری استادی شاگردی کیسی تھی۔ بڑا مزہ آئے گا۔

ہاں ہاں ضرور۔

عشرت بظاہر خوش دلی سے بولی۔

نوری نے مسکرا کر بچوں کی طرف دیکھا اور شارٹ دینے کے لئے میک اپ مین سے آئینہ لے لیا۔

عشرت اور اس کا شوہر واپس ہو گئے اور نوری نے آئینے کو ہلا کر خدا حافظ کہا۔

اور پھر.....

اپنا چہرہ دیکھنے لگی.....

جس پر اب بھی معصومیت تھی اور ابھی عشرت کا چہرہ وہ دیکھ رہی تھی۔

جس پر ایک نیا چہرہ سجا ہوا تھا۔



رضا حسن نے نازی سے شادی کر لی تھی۔

مگر نوری کو شادی میں نہیں بلایا..... اسے بہت دکھ ہوا کیونکہ رضا حسن سے اس کو ایسا پیار تھا۔ جیسے کسی مصور کو اپنی تصویروں سے ہوتا ہے یا کسی ادیب کو اپنی کتاب سے ہوتا ہے۔

مگر جو کچھ بھی تھا..... رضا حسن اسے بھول گیا تھا۔ پہلے تو کبھی کبھار وہ اس سے ملنے آجایا کرتا تھا۔ لیکن اب تو مینے بیت گئے تھے وہ کبھی اس طرف نہ آیا تھا، البتہ اس سے متعلق خبریں وہ بہت سنتی رہتی کہ اس کا معاملہ نازی سے چل رہا۔ نمو سے چل رہا ہے یا کسی اور سے..... اسے دکھ بھی ہوتا کہ رضا حسن اپنے لئے ایک منزل کیوں نہیں تلاش کرتا اور اب جب اس نے سنا کہ اس کی نازی سے شادی ہو گئی ہے تو وہ خوش بھی بہت ہوئی.....

چلو شادی ہو گئی اچھا ہے..... ہو سکتا ہے نازی اچھی بیوی بن جائے..... اور رضا حسن ایک خوبصورت اور خوشیوں کے گہوارے میں زندگی

گزارے۔

رضا حسن کے انٹرویو اخباروں میں چھپتے تو وہ ہمیشہ اس کا ذکر گول کر جاتا شاید اسے اب اس کا نام لینا بھی گوارہ نہ تھا۔
مگر اسے کوئی گلہ نہ تھا۔

وہ تو بس اکیلی تھانے جا رہی تھی

اب وہ فلموں میں کام کرتے کرتے بھی تھک گئی تھی۔ اس کی دلچسپی کم ہوئی تو اسے فلمیں کم ملنے لگیں اور اب تو اس پر بالکل ہی زوال آتا جا رہا تھا۔ دو یا تین فلمیں تھیں اس کے پاس

وقت کی کمی تھی تو سوچنے کا موقع کم تھا اور اب وقت تھا۔ اس لئے پھر وہی سوچوں کے بھنور تھے۔

خالی وقت میں وہ ہمیشہ کوشش کرتی کہ کچھ نہ کچھ کرتی رہے لہذا ایسی سوسائٹی میں گھل مل گئی۔ جہاں شراب عام تھی۔

وہ اب شراب بھی پیتی سگریٹ تو اس کی انگلیاں کالی کر چکے تھے

اس یوں ہی دن بیت رہے تھے۔

خزاں آرہی تھی چہرے پر آنکھوں کے نیچے حلقے نمایاں نظر آنے لگے تھے

وقت گھٹ گھٹ کر گزر رہا تھا۔

ایک روز جگا پھر اسے مل گیا۔ کچھ بدلا ہوا تھا۔ کہنے لگا تین مہینے جیل رہ کر آیا ہوں رانی کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ وہ تو دوست یا رکبھی کبھار چھپا کر کچھ دے جایا کرتے تھے۔

سنگنگ چھوڑ دو پھر

نوری نے کہا

ہم لوگوں کے لئے لے دے کر دو چار دھندے تو رہ گئے ہیں۔ اب تم خود ہی حسوس کرو۔ طوائف کے ہاں لڑکی ہوتی ہے تو طوائف بن جاتی ہے اگر طوائف کے ہاں لڑکا ہو تو وہ کیا بنے۔ اس کا مستقبل کیا ہے ؟
جگا ہنس کر بولا۔

نوری بھی سوچ میں پڑ گئی۔

طوائف کا بیٹا یا تو سلاز بنتا ہے یا پھر بہت نیک ہوا تو پہلوان بن گیا، کھلا کھانا پینا یا پھر چرس انیم کا دھندہ، سنگنگ، ہیرا پھیری کیونکہ گھٹی میں پڑ جاتی ہیں نہ یہ چیزیں۔ ماحول اسی طرح کا ہوتا ہے جہاں ان کی پرورش ہوتی ہے یا پھر ان کے لئے ایک دھندہ اور ہے۔ فلمیں بنانا اب یہاں پر کئی نامی گرامی طوائف زادے پھرتے ہیں کاروں میں گھومتے ہیں۔ فلمیں بناتے ہیں۔ عیاشیاں کرتے ہیں اسی لئے رانی تیری یہ فلم لائن بدنام ہے یہاں پر لوگوں کے تین گروپ ہیں ایک تو وہ جو واقعی فن کے ذریعے اپنے اور ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ بڑے اچھے ہیں۔ ان کے ذہن اچھے ہیں یہ واقعی اس اندسٹری کے خیر خواہ

ہیں دوسرا گروپ ایسے لوگوں کا ہے جو اس دھندے سے اپنا اوسیدھا کرتے ہیں۔ فحش فلمیں بناتے ہیں اور اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں۔ جیسا رخ ہو گا دیسے ہی بن جائیں گے اور تیسرا گروپ ہم جیسے لوگوں کا۔ ہے جنہیں کالا روپیہ بھی کیس خرچ کرنا ہے۔

جگا ہنس کر بول رہا تھا۔

اور نوری اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

تو سوچتی ہو گی رانی سگے کو بڑی باتیں آگئیں ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کی طرح بات کرتا ہے۔

جگا کبھی کبھی ہنستا

تو یہ دھندے چھوڑ دے سگے

نوری آہستہ سے بولی۔

اتنا مجھے مان ہے رانی کہ میں سچ بولتا ہوں۔

میں ملک سے غداری کرتا ہوں نا، اقرار کرتا ہوں اس بات کا۔ میں کتنا

ہوں میں برا ہوں میں گندگی ہوں میں غدار ہوں

کسی اچھائی کی اہمیت ہے تو مجھے ختم کر دے۔

ورنہ ہم تو ہیں اور رہیں گے۔

جگا ہنستا ہوا اسٹوڈیو کے کاریڈور کی طرف چلا گیا۔

اور نوری اپنے آفس میں

میڈم ایک کمائی سن لیں

ایک رائٹر جو اس کا انتظار کر رہا تھا بولا

کیسی ہے ؟

نوری نے پوچھا

ایک دم سپر ہٹ۔ ہیروئین کی انٹری اتنی دھماکہ خیز ہے کہ تماشائی اچھل پڑیں گے۔

رائٹر کی ساتھ بیٹھا ایک دوسرا آدمی بولا

بات کیا ہے ؟

نوری نے پوچھا

بس جی ایک ہیروئین کی انٹری ہے۔ دو چار ہیرو کی موڈرن فائٹس ہیں۔ دو چار ڈانس پیپک کے ٹیسٹ کے مطابق۔ انڈول میں ڈرامہ شروع ہو جاتا ہے آخر میں کورٹ سین اور اینڈ۔ ٹین ہیروئین کی انٹری ہے۔ بس اسی پر فلم بنا کر دیکھئے۔

رائٹر بولا

کوئی کمائی ہو تو پھر بات بنے مجھے تو کمائی چاہئے۔

کوئی بات موٹر اور جاندار

نوری نے کہا

بس تو پھر آپ کاٹل والی بنالیں میرا مطلب ہے امپورٹڈ۔

تھی.....

جہاں رابعہ تھی اور اس کی وہی کوٹھری اور پرانے ٹین کے صندوق میں چھپائی ہوئی سرخ چوڑیاں.....
وہ اس گھر سے کیا آئی۔ لوگوں کی اصلیت ایک دم اس پر کھل گئی.....
رضا حسن کو پتہ تھا کہ وہ اب ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی ہے۔ اکیلی ہے۔

نعیم کو یہ سب کچھ پتہ تھا۔

اقبال صاحب جانتے تھے۔

ساری فلم انڈسٹری جانتی تھی کہ نوری اب پائی پائی کی محتاج ہے۔ مگر کبھی کسی نے جھوٹے منہ آکر نہ پوچھا..... وہ سارے چمکتے ہوئے لوگ ایک دم ہی اسے بھول گئے۔ سارے ناطے توڑ بیٹھے تھے۔

پہلے ایک نوکر گیا..... پھر دوسرا..... اب اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلی تھی۔

ایک دو فلم سازوں نے اسے کچھ پیسے دیئے تھے۔ وہ دو تین بار ان کی آفس گئی مگر وہ بس ٹال ہی گئے۔

ایک آدھ فلم میں اسے کسی چھوٹے سے رول کی آفر بھی ہوئی مگر اس نے انکار کر دیا۔

اور اب..... جب وہ آئینہ دیکھتی تو آئینہ اسے کتنا تیری جلد میں بدل گیا ہے۔ پرانی ہیں۔ تیری آنکھوں کے گرد حادثات کی کالی رات کا پھر بیٹھ گیا ہے۔

تو ختم ہو رہی ہے.....

راکیت شریلا.....

کیا مطلب..... نوری نے چونک کر پوچھا۔

وہ جی ایسی فلموں میں رسک نہیں ہوتا۔ سپر ہٹ آزمایا گھوڑا بس وہی

بنائیے۔ ٹیپ بھی ہے میرے پاس۔

معاف ہی رکھئے آپ..... میں جو کمائی بناؤں گی۔ وہ بالکل مختلف ہوگی۔

اس میں کوئی بات ہوگی۔ ایسی کوئی کمائی ہو تو آجائیے گا۔

نوری اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اور راکشمنہ بتائے اس کے آفس سے نکل گیا۔

نوری نے چند دن میں خود ایک کمائی بنالی اور فلم شروع کر دی۔

انتھک کوششوں سے فلم بنی۔ نوری نے سارا سرمایہ اس فلم پر لگا دیا.....

لیکن جب فلم ریلیز ہوئی تو بری طرح فلاپ ہو گئی.....

فلاپ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ نوری کی اپنی کمائی تھی۔ جس میں ادھورا

پن تھا اور لوگوں کو یہ باتیں پسند نہ آئیں۔

اس فلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ بس لے دے کر ایک گھر رہ گیا

تھا۔ وہ بھی پورا ہو گیا۔ اور اب پھر وہ اپنی شاندار کوششیں کرنا ایک چھوٹے سے

کرائے کے مکان میں آگئی۔ اس چھوٹے سے گھر میں پھر اسے کوئی غم نہیں ہوا

بلکہ وہ تو یہ چاہتی تھی۔

کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ پلیٹنی ہوئی وہاں پہنچ جائے جہاں رابعہ

آؤ گئے.....

اتنے عرصے بعد اسے دیکھ کر نوری کو خوشی ہوئی۔

کیا بہت بیمار ہو.....؟

ہاں گئے..... ڈاکٹر کہتا ہے مجھے فوراً ہسپتال داخل ہو جانا چاہئے۔ ابھی میں ہسپتال ہی جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر بہت بالکل نہیں چلا نہیں جاتا، سوچ رہی تھی کہیں راستے ہی میں ختم نہ ہو جاؤں۔

سو کھی پھکی زبردستی کی مسکراہٹ اسے کے لبوں پر پھیل گئی.....
رانی! خدا کی قسم تیری یہ حالت دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوا..... دیکھ لیا ان دنیا والوں کو..... یہ تو بس چڑھتے سورج کے پجاری ہیں۔ تیرے عروج کے زمانے میں کس طرح تیرے پیچھے پیچھے پھرا کرتے تھے اور اب کوئی پلٹ کر خبر بھی نہیں لیتا..... میں اگر اندر نہ ہوتا تو ایمان سے تیرا کبھی یہ حال نہ ہوتا.....

جگا بے چین سا بولا.....

بس گئے..... کسی سے کیا لگے کرنا۔

نوری نے کہا.....

میں تو سال بھر کے لئے قید ہو گیا تھا۔ لوٹا ہوں تو تم نظر ہی نہ آئیں۔ پھر پتہ چلا تم نے ایک قلم بنائی جو تم کو لے ڈوبی..... اور تم پتہ نہیں کہاں ہو.....
بڑی مشکل سے تمہارا پتہ چلا ہے۔

جگا بولا ..



کئی روز سے وہ بیمار تھی.....

انگلی میں پڑی ہیرے کی انگٹھوٹی بیچ کر اس نے اپنا علاج شروع کیا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ شراب نوشی کی وجہ سے اس کا ایک مہینہ بیکار ہو گیا ہے اور اسے فوراً ہسپتال میں داخل ہو جانا چاہئے.....

اس نے ہسپتال جانے کا فیصلہ کر لیا تھا..... مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر جا کر کوئی سواری لیتی۔ بمشکل اس نے اپنے آپ میں ہمت پیدا کی اور اٹھی..... اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور جسم بخار سے تپ رہا تھا۔

لیکن اس نے دیکھا۔ دروازے میں جگا کھڑا ہے..... اسے دیکھ کر آگے

آیا.....

ارے رانی کیا حالت بنائی تم نے..... بڑی مشکل سے تمہارا پتہ ڈھونڈا

ہے.....

کے حوالے کموں گی۔

آپ پرسوں آجائے گا اور ہاں ! رائیٹی کے کانڈات تیار کئے ہیں آپ نے۔

نوری نے پوچھا

جی ہاں یہ میرے پاس ہیں۔ لیکن یہ رائیٹی کس کو دی جائے گی۔ نام ابھی تک آپ نے نہیں بتایا۔

زلفی کانڈات لے کر قریب آگیا۔

اس کتاب کی رائیٹی انور کو ادا کی جائے۔ آپ لکھ کر دیں میں دستخط کر دوں گی

نوری بولی

وہ صاحب کہاں ملیں گے؟

وہ کبھی نہ کبھی ضرور آپ کو نظر آجائیں گے

یہ وہ انور ہیں جو کمائیاں لکھتے ہیں۔ جو فلمی میگزین میں بھی ملازم تھے۔

نوری نے کہا

جی ہاں

زلفی نے کانڈات نوری کو دیئے اور نوری نے دستخط کر کے دو کاپیاں خود

رکھ لیں اور کہنے لگی۔

اس خط کی کاپیاں میں آج ہی رائٹر کمپنی کو بھیج دوں گی

نہیں نہیں آپ ابھی اچھی ہو جائیں گی۔ آپ چپ چاپ لیٹ کر سونے کی کوشش کریں۔ ڈاکٹر آپ کو بات کرنے سے منع کر گئے ہیں۔

نرس اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

وہ چپ چاپ لیٹ گئی

شام کو جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا زلفی اس کے سامنے بیٹھا

ہے

وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

کیسی طبیعت ہے میڈم؟

زلفی بولا

اچھی ہوں

کتاب مکمل ہو گئی

جی ہاں رات ہی مکمل ہوئی ہے۔

تو پھر آج مجھے مل جائے گی۔

زلفی بولا

دو روز بعد ملے گی

نوری نقاہت بھری آواز میں بولی۔

کیوں میڈم؟

دو روز بعد میرا آپریشن ہے۔ آپریشن تھیر جاتے ہوئے وہ کتاب میں آپ

بہت بہتر

زلفی بولا

وہ جانے کے لئے مڑا تھا کہ پھر رک گیا

کہنے لگا

میڈم میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اور اپنی ضمانت کروالوں۔

وہ کیوں ؟

نوری نے پوچھا

آپ یہاں بیمار ہیں اور بہت سے لوگ آپ کے اور میرے دشمن ہو گئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں یہ کتاب نہ چھپے آپ کو میں بتا نہیں سکا۔ مجھے تو لوگوں نے یہ کتاب حاصل کرنے کے لئے بڑی لالچ بھی دی ہے اور بہت سے لوگوں کے دھمکی آمیز خطوط بھی ملے ہیں کہ اگر میں نے یہ کتاب شائع کر دی۔ تو مجھے مار ڈالا جائے گا۔

نوری ہنس دی اور بولی

آپ ڈر گئے پھر

نہیں میڈم ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے تو ایمر مینٹ میں لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب ضرور چھپے گی۔

آپ ڈر پئے نہیں

نوری بولی

مگر آپ کی حفاظت کے لئے آج ایس پی سے مل کر آیا ہوں۔ آج ہی وہ پولیس کا پہرہ لگوا دے گا۔ میں نے یہاں بہت مشکوک لوگوں کو گھمٹے دیکھا ہے

نوری غلاؤں میں گھور رہی تھی

زلفی نے کچھ ضروری باتیں کیں اور اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد باہر کچھ شور ہوا

نوری نے نرس سے پوچھا تو پتہ چلا کمرے کے باہر کوئی آدمی زبردستی اندر

مکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہسپتال والوں نے اسے پکڑ لیا تھا۔

تب نوری نے سرہانے پڑی کتاب اٹھائی۔

اور حفاظت سے اپنے کبل میں چھپالی۔

ہاں سسٹر..... مکرتم کیوں پوچھ رہی ہو.....

آپ کو پتہ نہیں میڈم۔ آپ کے کمرے کے باہر پولیس کا سپرونگ ہے۔
کسی آدمی کو آپ سے ملنے کی اجازت نہیں۔ سارے ہسپتال میں آپ کی کتاب کا
چمچا ہے۔

اچھا.....

نوری آہستہ سے بولی.....

ہاں میڈم..... اور ایک خاص بات جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔ وہ
بات سن کر آپ بڑی حیران ہوں گی۔
نرس رازدارانہ لہجے میں بولی۔
کیا.....؟

نوری نے اس کی طرف دیکھا۔

کل جب میں ڈیوٹی ختم کر کے اپنے کواٹریں مٹی تو میں نے دیکھا ایک فیشن
ایبل سی خاتون میرا انتظار کر رہی ہے..... وہ عورت بہت پریشان لگ رہی
تھی، مجھے دیکھتے ہی بولی سنا ہے کہ میڈم نوری کے کمرے میں آپ کی ڈیوٹی
ہے..... میں نے کہا جی ہاں میری ڈیوٹی ہے..... کہنے لگی اگر میں میڈم نوری
کی وہ کتاب جو کہ لکھی جا رہی ہے۔ حاصل کر کے اسے دے دوں تو اس کے لئے
وہ مجھے دس ہزار روپے دے گی۔ میں اس کی بات سن کر حیران بھی ہوئی اور غصہ
بھی آیا، یہ لوگ ہمیں روپوں کے لالچ میں بس خریدنا ہی جانتے ہیں کیا ہمارا ضمیر



میڈم.....

نرس نے اسے آہستہ سے پکارا.....

آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....

آں..... ہاں..... وہ تیز سانس لیتی بولی۔

ڈاکٹر کو بلاؤں.....

نہیں.....

میڈم آپ اتنے دن سے کیا لکھ رہی تھیں۔

نرس نے پوچھا.....

اپنی آپ بیتی لکھ رہی تھی۔

وہی جس کا آپ نے اعلان کیا تھا؟

ہاں.....

مکمل ہو گئی.....

کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بس جی میں نے اسے نکا سا جواب دے دیا اور کہہ دیا کہ وہ فوراً میرے گھر سے چلی جائے۔
نرس کا سانولا سا چہرہ دمک اٹھا۔
میں اس عورت کو جانتی ہوں۔
میڈم آہستہ سے بولی۔

کہہ رہی تھی کہ اگر میڈم کی کتاب شائع ہو گئی تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی میرے بچوں کا مستقبل خاک میں مل جائے گا۔

نوری ہنسی.....

صبح آپ کا آپریشن ہے۔ ویسے آپ گھبرائیے نہیں۔ اچھی ہو جائیں گی۔
میرا ایک کام کرو گی سسٹر؟

کئے.....

اگر میں مر گئی نا..... تو میری قبر پر میرے نام کی تختی ضرور لکھوا دینا اور اس پر میرا نام پتہ کیا لکھنا میرا نام.....

رابعہ انور..... ہے سسٹر۔

نوری کی آنکھوں میں التجا تھی۔

اس کی آواز میں بکا پن تھا۔

اور لیوں پر بے قرار جذبے پھیل رہے تھے۔

انور کون ہے میڈم.....

نرس نے دکھ بری آواز میں پوچھا.....

انور..... وہ میرا کچھ نہیں لگتا سسٹر..... وہ میرا کچھ نہیں ہے۔ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں۔ کہتے ہوئے اس نے بڑھال سی ہو کر تیکے پر سر رکھ دیا۔
ڈاکٹر آگیا۔ سسٹر اس کے سامنے چارٹ لے کر کھڑی ہو گئی۔

وہ کچھ لکھتا رہا اور دوسرے روز آپریشن کی تیاری کا کہہ کر چلا گیا۔
کوئی جگنا می آدی ملنا چاہتا ہے۔

سپاہی اندر آکر بولا.....

بلاؤ اسے.....

نوری نے کہا.....

نوری لیٹے لیٹے بولی۔

کیا حال ہے اب تمہارا رانی؟

جگا پیکٹ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

صبح آپریشن ہو گا.....

نوری بولی.....

اچھی ہو جائے گی تو..... فکر نہ کر..... مگر دیکھ ذرا میرے ساتھ ایک

عجیب واقعہ ہوا.....

جگا ہنس کر بولا.....

کیا.....؟

نوری نے پوچھا ۔۔۔۔۔

ابھی جب ہسپتال آ رہا تھا تو میں نے دیکھا خوشیا اور چوٹا دونوں ایک گاڑی

سے اترے ہیں۔

وہ کون ہیں ۔۔۔۔۔؟

نوری نے پوچھا۔

بڑے ہائی گرامی بد معاش ہیں۔ آدی کا تو ایک منٹ میں گھر کاٹ دیتے

ہیں۔ بڑے خطرناک مانے جاتے ہیں۔ فیس بھی بہت ہے ان کی۔ بد معاشوں میں

ہائی کلاس ہیں دونوں ۔۔۔۔۔ استاد ہیں اپنے کام کے، مجھ سے کہنے لگے یہاں ایک

عورت میڈم نوری زیر علاج ہے۔ دو سو چار نمبر کمرہ ہے۔ وہ عورت ایک کتاب

لکھ چکی ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے دو دن سے کوشش کر رہے ہیں۔ مگر

پولیس کا پرہ بہت سخت ہے۔ کامیابی نہیں ہو سکی۔ مجھ سے کہنے لگے میں اگر وہ

کتاب حاصل کر کے انہیں دے دوں تو وہ مجھے دس ہزار روپیہ دیں گے۔

جگا ہنس کر بولا ۔۔۔۔۔

ہوں ۔۔۔۔۔ وہ کتاب اب انہیں بازار میں کتنی نظر آئے گی۔

نوری نے کہا ۔۔۔۔۔

مگر رانی ایسی کوئی کتاب ہے جو اتنی اہم ہے میری مانو کتاب میرے

حوالے کر دو میں دس ہزار روپیہ لا کر تمہیں دے دیتا ہوں۔ تمہارا کام بن جائے

گا۔

جگا ساڈی سے بولا ۔۔۔۔۔

تم نہیں جانتے تھے۔ وہ کتاب واقعی بہت اہم کتاب ہے ۔۔۔۔۔

بس ایک آئینہ ہے جس میں لوگ اپنا چہرہ دیکھنے سے کتراتے ہیں۔

تھکے کی سمجھ میں نہ آتا ۔۔۔۔۔ اس نے حیرت سے نوری کی طرف دیکھا

اور بولا ۔۔۔۔۔

تم بانو ۔۔۔۔۔ مگر مجھے تمہاری پہلی کا نظرو نظر آ رہا ہے۔ میں اب بیس

روہوں کا باہر چہرہ دوں گا ۔۔۔۔۔ کس کی مجال ہے جو میری موجودگی میں تمہاری

طرف آ سکے۔

نوری نے تھکے کی طرف دیکھا ۔۔۔۔۔ جو ظاہر برا آدی تھا۔ لیکن اس

میں انسانیت بول رہی تھی۔

تم آرام کرو رانی ۔۔۔۔۔ میں باہر بیٹھا ہوں۔

جگا باہر نکل گیا ۔۔۔۔۔

نوری کی پلکیں بھیگ گئیں۔ آنکھوں میں آنسو لڑنے لگے۔

شام ڈھل رہی تھی آج کا دن بھی بیت چکا تھا ۔۔۔۔۔

آج کا دن ۔۔۔۔۔ انتظار کا آخری دن ۔۔۔۔۔

کل پتہ نہیں کیا ہو جائے۔

انور ۔۔۔۔۔ تمہیں اب بھی مجھ پر ترس نہیں آیا ۔۔۔۔۔

جس طرح بچنے والا چراغ آخری لمحے تیزی سے بجھتا ہے۔

اسی طرح نوری کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

انتظار اور غم واندہ سے نڈھال اپنے ہنگ پر پڑی تکتے کو سینے سے لگائے
سکیاں بھر بھر کر رو رہی تھی، تڑپ رہی تھی۔

پھر ایک دم اس کی تکلیف بڑھ گئی

ڈاکٹر نے آکرنینڈ کا انجکشن دیا۔ تو وہ بے خبر سو گئی

باہر رات بیت رہی تھی۔

ہولے ہولے سیاہ اور اندھیری رات۔



ہسپتال کے کاریڈور میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ فخرناں باہر کار میں بیٹھا
تھا اس کے کارندے اندر پھیلے ہوئے تھے۔

رضا حسن بھی ایک طرف اپنے حواریوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

عشرت پھول دار چادر سے چہرہ چھپائے۔ ڈپنٹری کی دیوار کے ساتھ گلی
کھڑی تھی۔

جگا نوری کے کمرے کے دروازے کے سامنے اسٹول پر بیٹھا ہر آنے جانے
والے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پولیس کے سپاہی بھی آج معمول سے زیادہ تھے۔

کچھ فلم والے بھی موجود تھے۔

پولیس والے بھی پہنچ چکے تھے۔

زلفی نوری کے کمرے میں جا چکا تھا

عین اسی وقت معمولی کپڑوں میں پریشان حال انور نوری کے کمرے تک

آیا

انور نے کوئی جواب نہ دیا البتہ دیوار کا سارا لے کر کھڑا ہو گیا۔
اس کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں۔ اور آنکھیں
سرخ تھیں
اس کی نظریں بے چینی سے نوری کے دروازے کی طرف تھیں۔
اسی لمحے زلفی باہر نکلا
انور صاحب کہاں ہیں۔
زلفی نرس سے پوچھنے لگا۔
انور ایک دم آگے بڑھ گیا۔
آپ انور ہیں
زلفی اسے دیکھ کر بولا
جی
آئیے اندر میڈم نے کتاب کی رائیٹلی آپ کے نام کر دی ہے
آپ مجھ سے بیس ہزار روپے کا چیک وصول کر لیں۔
زلفی بولا
انور نے چونک کر زلفی کی طرف دیکھا اور بولا
آپ اندر تو لے چلے مجھے
زلفی اسے لے کر اندر آیا
سامنے ہی پتنگ پر وہ عذراں پڑی تھی
سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

میں اندر جانا چاہتا ہوں
انور نے جھکے سے کہا
اندر تو کوئی نہیں جاسکتا
جگا بولا
کیا وہ ہوش میں ہے
انور دکھ سے بولا
آپ یہ بتائیے کہ آپ کون ہیں اور اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔
جگا اسے گھورتے ہوئے بولا۔
میرا نام انور ہے
آپ میڈم سے نہیں مل سکتے۔
جگا سختی سے بولا
اسی دوران نرس اندر سے نکلی
سسر
انور اس کے قریب جا کر بولا۔
نوری کو جا کر اتنا بتا دیجئے کہ انور آیا ہے۔
سوری سسر انہیں ابھی آپریشن تھیٹر لے جایا جا رہا ہے
نرس کہہ کر اندر چلی گئی
انور نے سپاہی سے کہا۔ مگر اس نے بھی مجبوری ظاہر کر دی۔
انور کی بے چینی دیکھ کر جگا مسکرایا اور بولا۔
تم مجھ سے کتنا عداوت رکھتے ہو؟

مسٹر.....

انور نے ذرا غصے سے زلفی کی طرف دیکھا

کہنے لگا.....

میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ آپ ابھی خاموش رہئے پلیز.....

زلفی منہ دیکھتا رہ گیا.....

انور بولا.....

زلفی نے مسودہ انور کے حوالے کر دیا۔

انور نے لاپرواہی سے مسودہ پکڑ لیا جیسے وہ کوئی چیز نہیں.....

دو گھنٹے تک آپریشن ہوتا رہا.....

سب لوگ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

دو گھنٹے بعد نرسیں اور ڈاکٹر باہر نکلے۔ ان کے ساتھ ہی اسٹیمپر پر نوری بے

ہوش پڑی تھی۔

جب وہ سب کمرے میں آئے تو کمرے میں صرف انور اور زلفی اور جگا

تھے۔ سب نوری کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ڈاکٹر نبض تھامے کھڑا تھا.....

نوری کو ہوش آیا..... اس نے ہشکل آنکھیں کھولیں۔ انور آگے

بڑھا.....

انور نے اپنا ہاتھ اس کی ماتھے پر رکھ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نوری کی گردن

ایک طرف ڈھلک گئی۔

انور اسے دیکھ کر تڑپ گیا۔

رابعہ.....!

انور کے لب کپکپائے.....

نوری نے دیکھا..... کچھ بولنا چاہا لیکن بول نہ سکی۔

آپریشن کے لئے اسٹیمپر آگیا.....

انور سسٹر نے کمونڈر کی مدد سے اسے اسٹیمپر پر لٹانا چاہا۔

لیکن انور نے دونوں کو پرے کر دیا۔

اور اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا۔ جب وہ اسٹیمپر پر ڈال رہا تھا تو اسے لگا

نوری کی گرفت اس پر اتنی مضبوط ہے۔ جیسے وہ اس سے الگ ہونا نہیں چاہتی۔

بڑے آرام سے انور نے اسے الگ کیا اور بولا.....

رابعہ..... میں تمہیں لے جانے کے لئے آیا ہوں.....

خدا کے لئے میرا خیال کر لیتا۔ اللہ سے اور زندگی مانگ بیٹا۔

رابعہ میں تمہارے مرنے کی خبر نہیں سن سکتا۔ میں تمہیں زندہ سلامت

دیکھنا چاہتا ہوں۔

انور کے دل کی آواز تڑپ بن کر اس کے لبوں پر آئی.....

اسٹیمپر کو نرسیں نے پکڑا اور ساتھ ساتھ تھامے۔

نوری نے چادر کے نیچے سے کتاب نکالی اور زلفی کی طرف بڑھا دی۔

نوری کو آپریشن تھیمر چھوڑ کر جب انور پلٹا تو زلفی اس کے انتظار میں تھیں۔

کہنے لگا۔ آئیے چیک وصول کر لیجئے.....

نوری مرغی

انور نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا اور چہرے پر چادر ڈال دی
سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔

انور نے بغل میں دبایا ہوا مسودہ ہاتھوں میں رکھا

کچھ لمحے وہ مسودے کو دیکھتا رہا

اور پھر اس نے سامنے آتش دان میں جلتی ہوئی لکڑیوں کو دیکھا۔

آگ تیز ہو گئی

انور آگے بڑھا اور مسودہ آگ میں پھنک دیا

یہ کیا کیا آپ نے۔ زلفی آگ کی طرف لپکا۔

انور نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

زلفی چیختا رہا

اور مسودے کے کانڈ جل جل کر راکھ ہوئے جا رہے تھے

باہر جب زلفی کی آواز پہنچی۔

تو وہ ساری بھیڑ وہ سارے لوگ۔ مطمئن ہو کر پھر اپنے اپنے کاموں

کو چل دیئے

اب کاریڈور بالکل سناں تھا۔

اور انور

رابعہ کی لاش کو لئے آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔

